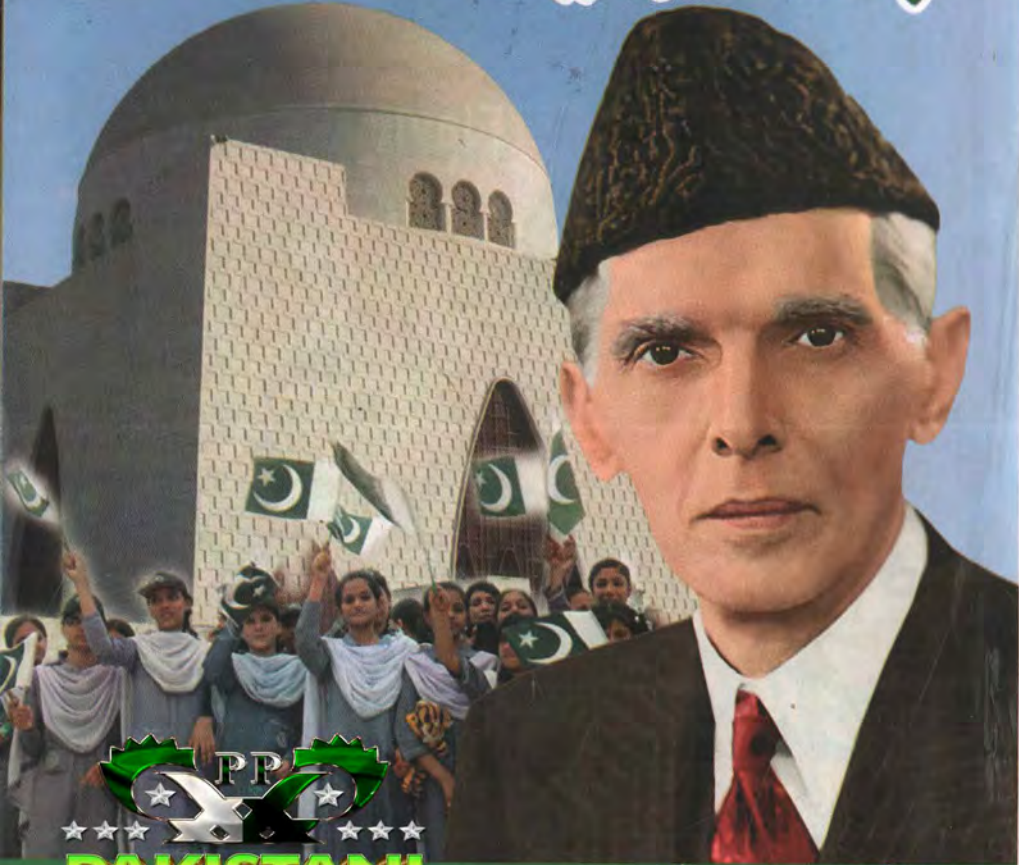


بچوں کی کہانیوں کا بہترین انتخاب

25 دسمبر

قائمہ اعظم ڈسٹ

ماہنامہ بچوں کی کہانیاں



PAKISTANI
POINT

لانڈھی کورنگی کے تمام اسکول وکان کی کتابیں، کاپیاں، رجسٹر اور دیگر ضروری سامان

آپ کا اعتماد ہماری کامیابی

شمیم



دوکان نمبر 10، قادری مسجد ڈاکٹر اکبر والی گلی ایسٹ گٹ 2، کراچی۔

توجہ فرمائیں

پیارے بچو!

ادارہ ماہنامہ بچوں کی کہانیاں کراچی آپ

کے لئے ایک نیا سلسلہ شروع کر رہا ہے جن

بچوں نے قرآن شریف پڑھنا نہیں سیکھا ہے

اب وہ آسانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں جو

اسباق بڑے ہونگے اُن کو دو یا تین حصوں

﴿ادارہ﴾

میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

اس شمارے میں

4	نادیہ عباس	حمد	1
5	عمران خان	نعت	2
6	امان اللہ نیر	وطن کو سنوارو	3
7	منظر ایوبی	پاکستان کا گیت	4
8	ظفر محمود انجم	میٹھی رت	5
9	منقی محمد رفیع	جنت کا آسان راستہ	6
18	رانا محمد شاہد	قائد اعظم کا بچپن	7
21	مقبول جہانگیر	آخری مہم	8
33	مرزا حمید بیک	طسمی دھا کہ	9
44	سیما صدیقی	دو توبوتا	10
51	ایشل وفا شیخ	انوکھا شکار	11
61	ندا بھر گڑی	شہزادہ گل منیر	12
65	راحت انسا	محنت بڑی چیز ہے	13
82	ایس امتیاز احمد	سوالیہ نشان	14
89	قارئین	مسکرائیے	15
96	ادارہ	راستہ تلاش کریں	16

چیف

ڈیزائننگ

ماہنامہ

ماہنامہ بچوں کی کہانیاں

دسمبر 2017



ایڈیٹر: (اعزازی) شلفہ پروین

ایڈیٹر: زریں ریشماں قرۃ العین بھٹی



چیف ایڈیٹر: مختار بھٹی



مپوزنگ: افتخار احمد

قیمت 30 روپے



ڈیزائننگ: سارہ لراق شہزاد علی



جلد نمبر 22 شمارہ نمبر 12

ماہنامہ بچوں کی کہانیاں کراچی، کواٹر نمبر 50-B/8، سوکواٹر کورنگی، کراچی 74900

رابطہ کیلئے موبائل: 0321-2859862

ایڈیٹر: زریں ریشماں قرۃ العین بھٹی

پرنٹر: سٹی پرنٹس، آفیسر روڈ، کراچی





تیرے ہی جلوں کا آسمان پہ ظہور ہے
 تیری ہی عباہوں میں دنیا نمود ہے
 شہ رگ سے میری تو کوں سا دور ہے
 پھر بھی ہوں تجھ سے غافل، یہ میرا قصہ ہے
 یہ جان کر بھی کہ دل میں تیرا ہی نور ہے
 پھر بھی یہ کیوں گلہ ہے کہ روشنی دور ہے
 میں نافرماں بھی ہوں تیری رحمتوں کا طالب
 کیسی ہے میری عاجزی، یہ کیسا فرور ہے
 اے پروردگار تو بہت رحیم و غفور ہے
 دیا جو ہے تیری بندی، بڑی بے حضور ہے
 (نادیہ عباس - موسیٰ خیل)



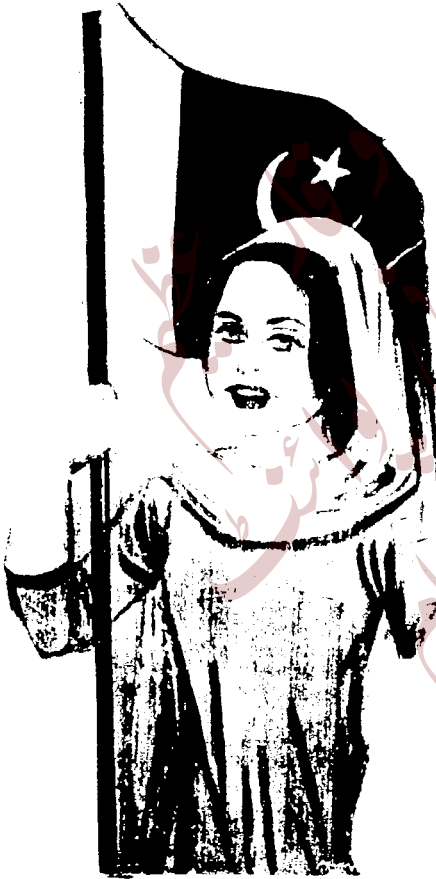
نعت مقبول رسول ﷺ

عمران خان کلہار، ڈیرہ اللہ یار

مدینے کو جائیں ، یہ جی چاہتا ہے
 مقدر بنائیں ، یہ جی چاہتا ہے
 جہاں دونوں عالم ہیں جو تمنا
 وہاں سر جھکائیں ، یہ جی چاہتا ہے
 محمدؐ کی باتیں ، محمدؐ کی سیرت
 سنیں اور سنا لیں ، یہ جی چاہتا ہے
 مدینے کے آقا ، دو عالم کے مولاً
 تیرے پاس آئیں ، یہ جی چاہتا ہے
 پہنچ جائیں عمران جب ہم مدینے
 تو خود کو نہ پائیں ، یہ جی چاہتا ہے

وطن کو سنوارو

☆..... امان اللہ نیر شوکت



وطن کے ستارو وطن کے کنارو
 وطن کو نکھارو وطن کو سنوارو
 یہ پیارا وطن ہے ہمارا وطن ہے
 یہ جنت کا دلکش نظارا وطن ہے
 اُٹھو تم بھی پھولوں سے اس کو نکھارو
 وطن کے ستارو وطن کے سہارو
 لگاتے چلو عزمِ الفت کے نعرے
 شجاعت، ہمت، حمایت کے نعرے
 اُٹھو جا کے دشمن کو اب خوب مارو
 وطن کے ستارو وطن کے سہارو
 خوشی سے مصیبت میں بھی مسکرائو
 کہیں شانِ عظمت نہ اپنی مٹائو
 یہی بات دل کی ہے نیر کے پیارو
 وطن کے ستارو وطن کے سہارو

گیت پاکستان کا

منظر ایوبی

آؤ بچو! گاؤ بچو! گیت پاکستان کا
ہم بھی گائیں، تم بھی گاؤ، گیت پاکستان کا

بچو! پاک وطن نے ہم کو کیا کیا نعمت بخشی ہے
جینے کو سامان دیا ہے، پیار کی دولت بخشی ہے
ہم کو قرض چکانا ہوگا، اس کے ہر احسان کا
گیت پاکستان کا

ہم کو خالد اور طارق کے نقش قدم پر چلنا ہے
یعنی ہر میدان عمل میں سب سے آگے نکلنا ہے
ہم کو بڑھانا ہے دُنیا میں رُتبہ ہر انسان کا
گیت پاکستان کا

علم و فن کی مشعل بچو! ہر مشعل سے بڑھ کر ہے
عزم و یقیں کی منزل بچو! ہر منزل سے بہتر ہے
سب رستوں سے سیدھا رستہ مذہب اور ایمان کا
گیت پاکستان کا

آؤ بچو! گاؤ بچو! گیت پاکستان کا
ہم بھی گائیں، تم بھی گاؤ گیت پاکستان کا

میٹھی رُت

سرد ہوائیں چلے لگیں ہیں
 موسم کا رخ بدلنے لگیں ہیں
 گرمی اب جانے والی ہے
 سردی اب آنے والی ہے
 دن ہیں چھوٹے چھوٹے آئے
 بڑھنے لگے ہیں شام کے سائے
 راتیں لمبی لمبی آئیں
 باتیں دادی جان سنائیں
 یک جا ہوئی سردی گرمی
 موسم میں بھی آئی نرمی
 گرمی گزر چکی ہے ساری
 سردی کی اب کرد تیار

ظفر محمود انجم رابعہ جنگ



جنت کا آسان راستہ

مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

بزرگان محترم حضرات علمائے کرام اور معزز حاضرین!

اللہ تعالیٰ کالا کھلا کھشک رہے کہ وہ ہر سال بیوقوف عطا فرماتا ہیں کہ ہم ایک ملک گیر سالانہ اجتماع ”مجلس حیلۃ المسلمین“ منعقد کر لیتے ہیں۔ اس میں بہت سے لوگ ہیں وہ حضرات جو ملک بھر میں مجلس کی خدمت انجام دے رہے ہیں ان کا باہمی ربط اور جوڑ ہوتا ہے اور پھر مسلمانوں کے اجتماع کی خاص برکات بھی ہوتی ہیں جب مسلمان دین کی معلومات حاصل کرنے کے لیے اکٹھے جمع ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی بارش ہوتی ہے ملائکہ ان کے راستے میں اپنے پر بچھاتے ہیں اور دعاؤں قبول ہوتی ہیں اس وقت میرے ذہن میں موضوعات کا ایک مظلوم برپا ہے کہ کس موضوع پر بات کی جائے کیونکہ مسائل و ضروریات بے شمار ہیں ایسے موقع پر کارآمد راستہ یہی ہوتا ہے کہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے وہ جو بھی کھلوا دیں ان شاء اللہ اسی میں خیر ہوگی۔

تین مختلف اشخاص

ابھی ابھی اچانک ایک بات یاد آئی ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ارد گرد جمع تھے کہ تین حضرات مسجد میں داخل ہوئے جنہیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ اندر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں جب معلوم ہوا کہ مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں تو ان میں ایک صاحب جلدی سے مجلس میں شریک ہو گئے دوسرے صاحب شرماشری میں بیٹھ گئے کہ واپس جائیں گے تو برائے محسوس ہوگا اور تیسرے صاحب داپس چلے گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین آدمی آئے ان میں سے ایک نے تو اللہ اور اس کے رسول کے پاس ٹھکانا پکڑا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے پاس ٹھکانا دے دیا دوسرا شرماشری میں مجلس میں آ کر شریک ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کو بھی اس بات سے حیا آتی ہے کہ اس مجلس کے کسی بندے کو ثواب سے محروم کر دیا جائے تو جو ثواب ان مجلس والوں کو ملے گا وہی ثواب اس کو بھی ملے گا رہا تیسرا آدمی تو اس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اعراض کیا تو اللہ اور اس کے رسول کو بھی اس کی ضرورت نہیں۔

دینی مجالس اللہ کا انعام ہیں

گویا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کی خاطر منعقدہ مجلس اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھامنے کا ذریعہ ہوتی ہے، بیٹھنے کا مقصد یہی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات کانوں میں پڑ جائے، دلوں میں کچھ سوز و گداز، خوف خدا اور آخرت کا دھیان پیدا ہو جائے تاکہ ہمارے اعمال و اخلاق کی اصلاح ہو سکے۔ یہ مجالس اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہیں کیونکہ ایک آدمی دوسرے آدمی سے نصیحت حاصل کرتا ہے کسی کو نیکی کا کام کرتے ہوئے دیکھ کر دل پر چوٹ لگتی ہے کہ میں تو یہ کام نہیں کرتا مجھے بھی کرنا چاہئے۔ انسان ایک دوسرے کو دیکھ کر سبق سیکھتا ہے پھر آپس میں ربط و محبت بڑھتی ہے کاموں میں سہولتیں پیدا ہوتی ہیں اور ایسے اجتماعات میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دعائیں بہت جلد قبول ہوتی ہیں۔

جس جگہ بڑے بڑے اکابر اللہ والے اساتذہ کرام بیان کر چکے ہوں وہاں مجھ جیسے طفل کاتب کا کچھ کہنا بولنا عجیب سا لگتا ہے اس منبر پر بیٹھ کر حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بڑے خلفاء بیان فرما چکے ہیں جن میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مفتی ظفر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں ایسی جگہ پر بیان کرنے کا تصور بھی مشکل تھا، لیکن بزرگوں کا حکم ہے اور مجلس کے نظم کا تقاضا بھی ہے اس لیے طوعاً و کرہاً یہاں بیٹھ گیا ہوں تاکہ آپ بھائیوں کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں میں شامل ہو جاؤں۔

میں نے خطبے میں جو آیت پڑھی ہے اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:-
اے مسلمانو! اللہ سے ڈرو! اتنا ڈرو جتنا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

یعنی جس سے اس نے منع کر دیا ہے اس کے پاس نہ جاؤ جس کا اس نے حکم دیا اس کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرو اسی کا نام تقویٰ ہے اور آگے فرمایا:-

ہرگز نہ مرنّا مگر اس حالت میں کہ تم اسلام پر قائم ہو۔

موت کی کسی کو خبر نہیں

مرنا جینا تو انسان کے اختیار میں نہیں ہے کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ موت کب کہاں اور کیسے آئے گی؟ بعض

اموات ملک الموت کو ایک فہرست دی جاتی ہے کہ فلاں فلاں لوگوں کی روح قبض کرنی ہے اور وہ لوگ برسوں کی صوبہ بندی میں مصروف ہوتے ہیں کہ فلاں کام اگلے سال یوں کرنا ہے اسے اگلے مہینے میں اس طرح کرنا ہے ملک الموت ہنستا ہے کہ اس بے چارے کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کی زندگی کے چند ہی گھنٹے باقی رہ گئے ہیں ملک الموت کو شاید رحم بھی نہیں آتا کیونکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں جو حکم ملے گا اس کو پورا کریں گے۔

ملک الموت کا مشہور قصہ

مشہور قصہ ہے کہ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت سے پوچھا کہ تم نے بے شمار روحمیں نکالی ہیں دن رات کا یہی مشغلہ ہے یہ بتاؤ کہ کبھی کسی کی روح نکالتے ہوئے رحم بھی آیا؟ فرشتے نے عرض کیا کہ صرف دو دیہوں پر رحم آیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کون ہیں جن پر تم کو بھی رحم آگیا؟ فرشتے نے کہا کہ: ایک مرتبہ ایک مندری جہاز جس میں عورتیں بچے سب سوار تھے سمندر میں سفر کر رہا تھا طوفان آگیا اور جہاز ڈوب گیا، کچھ غرق ہو گئے اور کچھ لوگ تختوں پر تیرتے ہوئے اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو گئے، انہیں جہاز والوں سے ایک حاملہ عورت تھی، کشتی کا ایک تختہ اس کے ہاتھ آگیا تھا، اندھیرے اور طوفانی رات اور سمندر کے لہجے سے چھٹی رہی اسی حالت میں اس نے بچے کو جنم دیا اور بچے کو اپنے سینے سے لپٹا لیا، بچے نے کھانے پینے کا سامان تھا نہ حفاظت کا کوئی بندوبست اس حالت میں اسے بزرگ و برتر آپ کا حکم یہ تھا کہ عورت کی روح قبض کر لو اے اللہ! میں نے روح تو قبض کر لی لیکن آج تک رحم آتا ہے اور یہی سوچتا ہوں ہاں اس نے بچے کا کیا ہوا ہوگا؟ اللہ جل شانہ نے پوچھا: تجھے دوسری مرتبہ کس پر رحم آیا ملک الموت نے عرض کیا: شدا نامی آپ کا ایک نافرمان بندہ تھا جسے آپ نے بادشاہت اور مال و دولت کی فراوانی عطا فرمائی تھی اس نے کہا کہ میں دنیا میں جنت بناؤں گا اور پھر اس نے جنت بنانا شروع کی اور اربوں کھربوں دینار خرچ کرتا رہا اور اس نے ملے کر لیا کہ جنت پوری تیار ہو جانے کے بعد ہی اس میں داخل ہوگا، برسوں انتظار کے بعد جب جنت میں داخلے کا وقت آیا ابھی اس کا ایک قدم جنت کے اندر اور دوسرا باہر تھا کہ آپ کا حکم ہوا اس کی روح قبض کر لو میں نے روح تو قبض کر لیا مگر آج تک رحم آتا ہے کہ اتنے برسوں کی محنت اور مال خرچ کے بھی جنت دیکھنی نصیب نہ ہوئی۔

تجھے ایک ہی پر دو مرتبہ رحم آیا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ملک الموت! تجھے ایک ہی آدمی پر دو مرتبہ رحم آیا ہے، تجھے معلوم نہیں کہ یہ شدا وہی ماہنامہ بچوں کی کہانیاں کراچی — ۱۱

بچتا تھا جس کی ماں کی روح ٹوٹنے اندھیری اور طوفانی رات میں قبض کی تھی، ہم نے اپنی رحمت و مسعدہ اور شانِ ربوبیت سے اس بچے کو بچا لیا اور پال پوس کر پروان چڑھایا، اسے ذہانت و فطانت دی، صحت، طاقت اور عزت عطا کی یہاں تک کہ بادشاہ بنادیا اور جب بادشاہ بنا تو ہمارے مقابلے میں جنت کی تعمیر شروع کر دی، تمہیں ایک ہی شخص پر دو مرتبہ تم آیا ہے۔

موت اور زندگی کا کچھ محروم نہیں، قرآن کریم میں ارشاد ہے:-

ترجمہ: یعنی تم نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم اللہ کے فرمانبردار رہو۔

گویا مرنا تو غیر اختیاری ہے مگر ایک بات اختیاری ہے وہ یہ کہ موت اچھی حالت میں آئے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو ہر قسم کے گناہوں سے ہر وقت بچائے رکھیں اور جب بھی گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ استغفار کر لی جائے۔

توبہ کے دروازے کھلے ہوئے ہیں

اللہ تعالیٰ نے توبہ کے دروازے کھولے ہوئے ہیں، گناہ ہوتے رہتے ہیں، بندہ معافی مانگتا رہتا ہے، وہ معاف کرتا رہتا ہے، مگر جب موت کے فرشتے نظر آنے لگیں اور نزع کا عالم طاری ہو جائے تو پھر توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، لیکن اگر ایسا شخص جو توبہ استغفار کا عادی تھا، خدا نخواستہ گناہ کرتے ہوئے اس کو موت آ جائے تو یہ ایک ہی ایسا گناہ باقی ہوگا جس کی توبہ کا موقع نہیں ملا، اس لیے ہر وقت گناہوں سے بچنے کی فکر ہونی چاہئے۔

گناہوں سے کس طرح بچیں؟

لیکن سوال یہ ہے کہ گناہوں سے کس طرح بچا جائے؟ کیونکہ فتنوں کا ایک سیلاب ہے جس نے پورے معاشرے کو گھیرے میں لے رکھا ہے، آدمی اپنے آپ کو کسی طرح گناہوں سے بچائے؟ آنکھ، کان، ہاتھ وغیرہ کیسے محفوظ رکھے؟ اپنے آپ کو گناہوں سے بچانا مشکل کام ہے، اگرچہ کہنا انتہائی آسان ہے مگر عملاً دشوار مرحلہ ہے اور یہی مشکل مرحلہ سر کرنے کے لیے علماء، صوفیاء اور بزرگانِ دین کا تکیہ فرماتے ہیں، بلکہ قرآن کریم کا بھی حکم ہے کہ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرو، ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کی کوشش کرو، ریاضتیں اور مجاہدے کرو، اتنے ہیں تاکہ گناہوں سے بچنا آسان ہو جائے اور نیکیاں کرنے میں آسانی محسوس ہو اور ان سب کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ قلب میں یہ کیفیت پیدا ہو جائے کہ نیکیوں کا شوق پیدا ہو اور گناہوں کا خوف اور نفرت دل میں بیٹھ جائے، یہ کیفیت اللہ والوں کی صحبت میں رہنے سے حاصل ہوتی ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے:-

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو (یعنی گناہوں سے بچو، جس کا راستہ یہ ہے کہ) نیک لوگوں کے ساتھ ہو۔

گناہ سے بچنا اللہ کا کرم اور گناہ پر ڈھیل اللہ کا غضب ہے

بات دراصل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے مضبوط تعلق قائم ہو جاتا ہے تو کوشش کے باوجود گناہ نہیں ہو پاتا۔ دل میں ایسا نور پیدا ہو جاتا ہے کہ گناہ کے قریب جاتے ہوئے بھی خوف محسوس ہوتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ ایسی کار سازی فرماتا ہے کہ دل ہی پھیر دیتا ہے اور ایسے اسباب مہیا کر دیتا ہے کہ بندہ گناہوں سے غیر ارادی طور پر بچتا ہی چلا جاتا ہے یہ کرم خداوندی ہے کہ انسان کو گناہوں سے بچا لیتا ہے اور جب کسی کو گناہ پر ڈھیل ملنی شروع ہو جائے تو وہ اللہ کا غضب ہوتا ہے، کیونکہ ڈھیل ملنے کے بعد اچانک گرفت ہوتی ہے، ارشاد خداوندی ہے:-

ترجمہ: بے شک تیرے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔

بزرگوں کی محبت و تربیت سے نیکیاں آسان اور لذیذ ہو جاتی ہیں اور گناہ مشکل ہو جاتے ہیں اور ان سے وحشت ہونے لگتی ہے، بیعت کا تعلق بھی بزرگوں سے اسی لیے قائم کیا جاتا ہے۔

والد صاحب سے بیعت کی درخواست

میرے والد صاحب مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو لوگ انہیں جانتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ وہ اپنی اولاد پر کس قدر مہربان تھے، یہاں تک کہ لوگ اولاد سے ان کی محبت کی مثالیں دیا کرتے تھے، وہ میرے استاد بھی تھے اس اعتبار سے محبتیں اور زیادہ تھیں۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کئی مرتبہ درخواست کی مجھے بیعت فرمائیں، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہر مرتبہ فرماتے: ”حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی سے بیعت کرو!“ ہماری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب سے بیعت کرنے پر اس قدر اصرار کیوں ہے؟ ایک مرتبہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ افریقا کے سفر میں تقریباً پونے دو ماہ رہنے کا اتفاق ہوا، کراچی میں تنہائی میں بات کرنے کا موقع کم ملتا تھا، کیونکہ ہر وقت لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔ سفر میں تنہائی کو غنیمت جان کر میں نے بیعت کی پھر درخواست کی اس دن حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ زیادہ ہی بخیرہ ہو کر فرمایا کہ: تاریخ میں بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ بیٹے باپ سے بیعت ہوئے اور الحمد للہ کامیابی بھی حاصل ہوئی، لیکن اس صورت میں دونوں کو بہت زیادہ احتیاط رکھنی پڑتی ہے، کیونکہ عیسیٰ مریدی کے تعلق میں ابتداء باہمی بے تکلفی مضمر ہوتی ہے اور باپ بیٹے کا تعلق بے تکلفی کا ہوتا ہے، لہذا ہم دونوں کے لیے یہ کام مشکل ہو گا، اس لیے تم حضرت ڈاکٹر صاحب سے بیعت کر لو۔

پھر فرمایا کہ: اس کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ جب ایک عالم ایسے مرشد سے بیعت ہوگا جو باضابطہ عالم دین نہیں سمجھا جاتا تو ذہن سے علم کا خناس بھی نکل جائے گا۔ کیوں کہ عالم کے لیے سب سے زیادہ تباہی اور بربادی اس علم کے خناس سے ہوتی ہے جو جہنم تک لے جاتی ہے کیونکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔ بہر حال والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہم دونوں بھائیوں یعنی مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کا اور میرا ہاتھ عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں پکڑا دیا اور ہم دونوں بھائیوں نے ان سے بیعت کر لی۔

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب

میں کبھی سوچتا ہوں کہ والد صاحب کے مجھ پر کس قدر احسانات ہیں! وہ میرے بہت شفیق باپ بھی ہیں استاد بھی ہیں اور مربی بھی ہیں، مگر ان کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے ہمارا ہاتھ ایک عارف باللہ کے ہاتھ میں دے دیا تھا جب والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو جنازہ رکھا ہوا تھا اور میں بیروں کی طرف کھڑا تھا، حضرت ڈاکٹر صاحب بھی وہیں کھڑے ہو گئے، میں نے حضرت ڈاکٹر صاحب سے کہا: آپ کی موجودگی میں ہم اپنے آپ کو یتیم نہیں سمجھتے۔ حضرت نے فوراً جواب نہیں دیا بلکہ چند لمحے سوچ کر فرمایا: ”آپ کو ایسا ہی سمجھنا چاہئے ان شاء اللہ میں اس ذمہ داری کو پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔“ حضرت نے یہ جملہ ایسا فرمایا تھا کہ آخر تک حیرت ناک انداز میں بھایا جس پر میں اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے۔

چار سنبرے اعمال

ایک مرتبہ حضرت فرمانے لگے کہ پہلے زمانے میں اصلاحِ نفس کے لیے بڑے بڑے مجاہدے کرنے پڑتے تھے مگر اب لوگوں میں اتنی ہمت نہیں رہی کہ ایسے مجاہدے کر سکیں، میں آپ کو ایک آسان نسخہ بتاتا ہوں جو انتہائی مختصر مگر زود اثر ہے یہ چار اعمال ہیں اور یہ چاروں اعمال شریعت و طریقت دونوں کی جان ہیں اور اس قدر آسان ہیں کہ جان مال اور وقت کچھ بھی خرچ نہیں ہوتا۔ آدمی اگر اس کی عادت ڈال لے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص تعلق پیدا ہو جاتا ہے جس کا کیف زندگی میں محسوس ہونے لگتا ہے قلب کی حالت اصلاح پزیر ہو جاتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ وہ مقام آتا ہے کہ آدمی اگر چاہے بھی تو گناہ نہ ہو پائے وہ چار اعمال یہ ہیں:-

۱۔ شکر

۲۔ صبر

۳۔ استغفار

۴۔ استعاذہ

مابطہ عالم
تجارتی اور
کے ایک
خال والد
حضرت

بھی ہیں
ف باللہ
بیروں کی
آپ کی
آپ
جملہ ایسا

کے کرنے
تاتا ہوں
اور اس
خال کے
اصلاح
ہیں:-

ہ

اس موقع پر حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ بھی فرمایا، میرے بھائی مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے اس کو قلم بند کر لیا تھا، معمولات یومیہ کے نام سے کتا بنچے کی شکل میں شائع ہو چکا ہے اور اس کے کئی زبانوں میں تراجم بھی ہو چکے ہیں۔

ایک دن فرمانے لگے کہ: کیوں مولوی رفیع! ”معمولات یومیہ“ پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا: الحمد للہ پڑھتا ہوں۔ فرمایا: اس کا ایک ایک حرف پڑھنا اور جب ختم ہو جائے تو پھر سے پڑھنا شروع کر دینا۔ پھر مسکرا کر فرمانے لگے کہ: میں نے یہ رسالہ دراصل مرتب کیا ہی آپ دونوں بھائیوں کے لیے ہے اور مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ دنیا تو اس سے نفع اٹھائے اور آپ دونوں بھلا کر بیٹھ جائیں۔ پھر اپنا ایک قصہ سنایا کہ میرے مرشد حسیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ مجھے ایک شہد کی شیشی عنایت فرمائی، میں خوشی خوشی یہ سوچتے ہوئے گھر لایا کہ اتنا بڑا تبرک اگر یوں ہی کھالیا تو جلدی سے ختم ہو جائے گا۔ لہذا اسے حفاظت سے رکھوں، بس خاص خاص موقع پر چکھ لیا کروں گا، میں نے اسے بڑی حفاظت سے لپیٹ کر رکھ دیا۔ کئی مہینے گزر گئے ایک دن روزہ رکھا ہوا تھا، سوچا کہ اسی سے افطار کروں گا۔ اب جو کھول کر دیکھا تو ساری شیشی موٹے موٹے پیوٹنوں سے بھری ہوئی تھی اور شہد غائب تھا، تو مجھے اس ”معمولات یومیہ“ کے بارے میں بھی یہی ڈر رہتا ہے کہ لوگ تو اس سے فائدہ اٹھائیں اور آپ اسے بہت حفاظت سے رکھ دیں۔

مرشد کا تحفہ

آج میں آپ کو اپنے مرشد کا تحفہ دیتا ہوں جو انہوں نے چودہ برس کے تعلق میں عطا فرمایا، امید ہے کہ قدر دانی کریں گے کیونکہ میرے مرشد فرماتے تھے کہ: ”یہ میرے مرشد کا تحفہ ہے!“ اور ان کے مرشد یوں فرماتے تھے کہ: ”یہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ تحفہ ہے!“ اور بکثرت یہی فرمایا کرتے تھے کہ: شکر، صبر، استغفار، استعاذہ ان چاروں کی عادت ڈال لو۔

(۱) شکر

پہلی چیز شکر ہے، سب سے پہلے تو یہ عادت ڈالنی چاہئے کہ صبح جاگنے اور رات لو سونے سے پہلے اپنی ذات اور ماحول پر سمری نظر ڈال کر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ دین و دنیا کی نعمتوں کا دھیان کر کے اجمالی شکر ادا کر لیا کریں، خصوصاً ایمان کی دولت جو اللہ نے ہمیں دے رکھی ہے اور جو عافیت عطا فرما رکھی ہے، دل سے اس پر شکر ادا کریں اور ان نعمتوں کے صحیح استعمال کا عزم رکھیں۔ اس کے علاوہ جس نعمت کا بھی دھیان آیا کرے دل

میں چپکے سے شکر ادا کریں یعنی جب بھی تمہاری مرضی کے موافق کوئی کام ہو جائے جس سے تمہیں خوشی دل کو سکون ہو تو چپکے سے کہہ دیا کرو۔

”الحمد لله“ یا اللہم لك الحمد و لك الشکر

شکر کے بہت سے مواقع

صبح سے شام تک سیکڑوں کام ایسے ہوتے ہیں جو آدمی کی مرضی کے موافق ہوتے ہیں۔ صبح آگ کھ کھلی، صحت بالکل ٹھیک ہے تو کہہ دیا ”الحمد لله“، مگر والوں کو دیکھا کہ وہ بھی سب تندرست ہیں تو چپکے سے کہہ دیا ”الحمد لله“ نماز کو گئے جماعت مل گئی تو کہہ دیا ”الحمد لله“، صبح کا ناشتہ دقت پر مل گیا تو کہہ دیا ”الحمد لله“، کام پر جانے لگے خطرہ ہے کہ دیر نہ ہو جائے مگر صبح دقت پر کام پر پہنچ گئے تو کہہ دیا ”الحمد لله“، بس میں جانے والے کو خطرہ ہے کہ بس طے یا نہ طے مل گئی تو کہہ دیا ”الحمد لله“، بس میں چڑھ گئے تو معلوم نہیں سیٹ طے یا نہ طے مل گئی تو کہہ دیا ”الحمد لله“، پولیس آنے پر اہل خانہ کو ہشاش بشاش دیکھا تو کہہ دیا ”الحمد لله“، گرمی میں غصہ ہوا کا جھوٹا آیا تو کہہ دیا ”الحمد لله“، غرض جو کام بھی چھوٹا ہو یا بڑا، طبیعت کے موافق ہو جائے یا کوئی دعا قبول ہو جائے، جس بات سے بھی دل کو لذت و مسرت حاصل ہو جس کا رنجہ کی بھی توفیق ہو جائے اس پر اللہ کا شکر دل اور زبان سے ادا کرنے کی عادت ڈال لیں اس کام میں نہ وقت لگتا ہے نہ مال خرچ ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی محنت لگتی ہے۔

بے شمار نعمتیں ہم کو حاصل ہیں

بلکہ اگر خدا نخواستہ کوئی تکلیف یا پریشانی لاحق ہو جائے تو اس کے تدارک سے پہلے اس پر نظر کر لیں کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی استحقاق کے گرد و پیش میں کتنی نعمتیں عطا کر رکھی ہیں جو توقع بہت قلب کا باعث ہیں اگر یہ نہ ہوتیں تو پریشانی اور تکلیف کی کیا حالت ہوتی؟ ان شاء اللہ اس طرف دھیان کرنے سے عقلاً سکون حاصل ہو جائے گا، اگرچہ طبعی یا پریشانی یا تکلیف کا اثر باقی رہے۔ بلا مبالغہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہر وقت ہم کو حاصل ہیں اگر ان سب پر نہیں تو کم از کم کچھ نعمتوں پر شکر اس طرح ادا ہو جائے گا اس طرح مشق کرنے سے انسان شکر کا ایسا عادی ہو جاتا ہے کہ ہر اچھی چیز پر دل ہی دل میں شکر ادا کرتا رہتا ہے۔ کسی دوسرے کو بتا بھی نہیں چلتا اور ایک عظیم الشان عبادت انجام پاتی رہتی ہے۔ جس میں ریاء بھی نہیں ہوتی اس سے درجات میں جو ترقی ہوتی ہے اس کا آپ اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ غرض انسان کو ایسا ہونا چاہئے کہ وہ جس حال میں ہو شکر ادا کرتا رہتا رہے۔

کو
ملی
دیا
آپ
کو
مل
ہوا
بول
شکر
بوی
اللہ
یہ نہ
مل
مل
ان
چلتا
رتی
رہتا

رہے شروع میں شاید یہ بات مشکل معلوم ہو لیکن مشق کرنے سے اور اکثر حالات میں خیال رکھنے سے اس کی عادت پڑ جاتی ہے۔

شکر سے نعمتوں میں اضافہ عذاب سے حفاظت ہوتی ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

ترجمہ: یعنی اگر میرا شکر کرتے رہو تو مجھے کیا غرض پڑی ہے کہ تمہیں عذاب دوں۔

معلوم ہوا کہ جو ایمان والے لشکر گزار ہوتے ہیں وہ اللہ کے عذاب سے محفوظ رہتے ہیں ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:-

ترجمہ: یعنی اگر تم میرا شکر کرو گے تو میں نعمتوں میں اضافہ کروں گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس جس نعمت پر بھی شکر ادا کرتے جائیں گے، نعمتیں بڑھتی چلی جائیں گی اور دنیا کی زندگی آسان ہو جائے گی۔ یقین نہ آئے تو آپ خود تجربہ کر لیں جو بھی یہ کام کرے گا اسے واضح طور پر یہ محسوس ہوگا کہ اس کی زندگی میں خوش گوار تبدیلی آرہی ہے۔

یہ اللہ کی بہت پسندیدہ عبادت ہے

یہ شکر کی عبادت اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند ہے اس کا اندازہ ہم اس بات سے لگائیں کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں میں سب سے عظیم اور محبوب کتاب قرآن کریم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو سورۃ فاتحہ سے شروع فرمایا اور سورۃ فاتحہ کا پہلا لفظ ہی ”الحمد للہ“ کے الفاظ - شروع کیا پورے قرآن کا خلاصہ سورۃ فاتحہ میں ہے اور یہ سورۃ فاتحہ کا پہلا لفظ ہی ”الحمد للہ“ ہے۔ آخر کچھ بات ہے جو شکر کو اتنی اہمیت سے بیان کیا جا رہا ہے اور یہ سورۃ اللہ تعالیٰ کو کتنی پسند ہے؟ اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اس سورۃ کو نہ صرف ہر نماز بلکہ ہر رکعت میں پڑھنے کا حکم ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں خدا کی حمد و تعریف ہے اور خدا تعالیٰ کو اپنی تعریف بہت پسند ہے۔

قائد اعظم کا بچپن

امام محمد شاہ، پورے دالہ

بچپن انسانی زندگی کا ایسا سانا دور ہوتا ہے جس کی خوشیاں اور راحتیں ہمیشہ یاد رہتی ہیں۔ ایک طرف، تو بچپن بے فکری کا زمانہ ہوتا ہے اور دوسری طرف مستقبل کی بنیاد اسی بچپن میں ڈالی جاتی ہے۔ بچپن میں ہی بچے کی فطری صلاحیتوں کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ پھر بچے کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے تاکہ وہ اپنی صلاحیتوں کو نکھار سکے اور اپنی فطرت کے مطابق اپنے مستقبل کو بہتر بنا سکے۔ کچھ شخصیات کے بچپن میں ہی ان کے مستقبل کی جھلک ملتی ہے۔

بابائے قوم قائد اعظم محمد علی جناح کے بچپن کے متعلق بہت کم معلومات سامنے آئی ہیں، لیکن ان معلومات سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ محمد علی جناح میں بچپن سے ہی ایک بڑا آدمی بننے کی علامتیں موجود تھیں۔ قائد اعظم کی بہن محترمہ فاطمہ جناح جو ایک طویل عرصے تک اپنے بھائی کے ساتھ رہیں، انھوں نے اپنے بڑے بھائی محمد علی جناح کے بچپن کے کچھ حالات اپنی کتاب ”مائی برادر“ یعنی ”میرا بھائی“ میں درج کیے ہیں۔

محترمہ فاطمہ جناح لکھتی ہیں کہ محمد علی ہم عمر بچوں کے ساتھ بڑے شوق سے مختلف کھیل کھیلتے تھے۔ بچوں میں ایک اچھے کھلاڑی مانے جاتے تھے۔ بچے انھیں اپنا لیڈر اور قائد سمجھتے تھے۔ محمد علی جناح خود بھی بچوں کے درمیان اپنے آپ کو زیادہ بڑبڑار اور ذہین تصور کرتے تھے۔

محمد علی جناح کے اس احساس نے بہت جلد ان کے اندر بڑے لوگوں کا سا انداز پیدا کر دیا۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ وہ اپنے والد کے کاربار میں ان کا ہاتھ بٹانے لگے۔ وہ جان گئے کہ بغیر تعلیم کے نہ کاربار کیا جاسکتا ہے اور نہ اسے ترقی دی جاسکتی ہے۔ لہذا انھوں نے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے لیے دن رات آپ کر دیا۔ محمد علی جناح کی والدہ اپنے بیٹے کو اتنے انسپاک سے پڑھتے دیکھتیں تو اکثر اپنے شوہر سے کہا کرتیں: ”تم دیکھ لینا میرا محمد علی بڑا کامیاب آدمی بنے گا اور سب لوگ اس پر رشک کریں گے۔“

محمد علی اپنے والدین کی فرماں برداری کرتے، بن بھائیوں کا خیال رکھتے اور دوسروں کی عزت کرتے۔ محمد علی جناح بچپن میں گولیاں (کپجے) کھیلتے تھے، لیکن یہ شوق جلد ختم ہو گیا اور وہ کرکٹ کی طرف مائل ہو گئے۔ پھر جب ذرا بڑے ہوئے تو گھڑ سواری میں دل چسپی ہو گئی۔ ان کے والد کے پاس کئی گھوڑا گاڑیاں تھیں۔ گھوڑا گاڑی ان دنوں شاہانہ سواری سمجھی جاتی تھی، کیوں کہ موٹر کاروں کا ان دنوں رواج نہ تھا۔

محمد علی جناح نے بہت جلد گھڑ سواری سیکھ لی اور پھر ہر شام کو وہ اپنے ایک دوست کے ساتھ دور تک اور دیر تک گھڑ سواری کرتے تھے۔ محترمہ فاطمہ جناح کہتی ہیں: ”وہ دن کو اسکول جاتے، دوپہر کو اسکول کا کام کرتے، شام کو گھڑ سواری کرتے اور رات کو مطالعہ کرتے رہتے تھے۔“

جرات، بے باکی، نفاست پسندی، علم دوستی، صاف گوئی اور ہمت و استقلال جیسی خوبیاں قائد اعظم میں بچپن ہی سے موجود تھیں اور آخر یہی وہ خوبیاں تھیں جن کی بدولت محمد علی زندگی میں محمد علی جناح نہ صرف ”قائد اعظم“ جیسے بلند مرتبے پر فائز ہوئے بلکہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ایک علامہ و وطن بھی حاصل کیا۔

شہیدِ محبت نہ کافر نہ غازی
محبت کی رسیں نہ ترکی نہ تازی
وہ کچھ اور شے ہے، محبت نہیں ہے
سکھاتی ہے جو غزنوی کو ایازی
یہ جوہر اگر کارفرما نہیں ہے
تو ہیں علم و حکمت فقط شیشہ بازی
نہ محتاجِ سلطان، نہ مرعوبِ سلطان
محبت ہے آزادی و بے نیازی
مرا فخر ہے بہتر ہے اسکندری سے
یہ آدم گری سے وہ آئینہ سازی



علامہ اقبال

اقوال زریں

بار اور جیت

نماز اور زبان کی اہمیت

حضرت ابن شوذبؒ فرماتے

ہیں کہ میں نے حضرت یونس بن عبیدؒ کو فرماتے ہوئے سنا : ”آدمی میں دو باتیں ایسی ہیں کہ اگر وہ درست ہو جائیں تو اس کے باقی تمام معاملات درست ہو جائیں گے۔ ایک نماز اور دوسری زبان۔“ (اقوال مشاہیر)

دیتا ہے اور جب کسی سے بغض کرتا ہے تو لوگوں کے دلوں میں اس کا بغض پیدا کر دیتا ہے، تم خدا کے نزدیک اپنا وہی مرتبہ سمجھو جو تم کو ان لوگوں میں حاصل ہے، جو تمہارے شریک کار ہیں۔“ (اقوال صحابہؓ)

بزرگان دین میں سے کسی کا قول ہے کہ زندگی کی سب سے بڑی ہاریہ ہے کہ کسی کی آنکھ میں تمہاری وجہ سے آنسو آئے اور زندگی کی سب سے بڑی جیت یہ ہے کہ کسی کی آنکھ میں آنسو تمہارے لئے آئے۔ (اقوال مشاہیر)

انبیائے کرام علیہم السلام کی تمنا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ ”محبوب خلائق بننے سے روگردانی نہ کرو، کیوں کہ انبیائے کرام علیہم السلام نے بھی اس کی تمنا کی ہے، جب خدا کسی بندے کو محبوب بناتا ہے تو لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا کر



تمنہ کی کرامات

مقبول جہانگیر

امیر حمزہ کے کارنامے



آخری مہم

یہ کہہ کر قحاح کو چلنے کا اشارہ کیا۔ دونوں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور وہاں سے چل دیے۔ سعد اور پیر فرخاری حیرت سے منہ کھولے انہیں جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ اس کے بعد انہوں نے بھی دشمن کے لشکر کے دو گھوڑے پکڑے اور سوار کو کر بصرے کی جانب روانہ ہوئے۔ کیوں کہ ان دنوں امیر حمزہ کا لشکر وہیں رکا ہوا تھا۔

تسلیم بجالانے اور اپنی کرسی پر جا بیٹھے۔ پیر فرخاری نے بھی ادب سے سب کو سلام کیا اور حسب مرتبہ اپنی جگہ پر جا بیٹھا۔ امیر حمزہ نے سعد سے حال پوچھا۔ سعد نے ہیکلان، سکندر عاد اور خداوند ثمرات کا سب حال بیان کیا۔ پھر بتایا کہ ایک کم سن نوجوان ہماری مدد کو آیا اور جلا دوں کو مار کر ہمیں سولی سے بچایا۔ امیر حمزہ نے کہا تم اسے اپنے ساتھ کیوں نہ لائے۔ سعد نے عرض کیا کہ یا امیر، میں نے ہر چند اس نوجوان سے درخواست کی مگر وہ کسی صورت سے نہ آیا اور اپنا نام بھی نہ بتایا۔ البتہ اتنا کہا کہ اگر زندگی رہی تو بہت جلد امیر کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔

امیر حمزہ کو جاسوسوں نے خبر دی کہ سلطان سعد اور فرخاری حاضر ہوتے ہیں۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ اپنے کئی سرداروں کو سعد کے استقبال کے لئے روانہ کیا اور وہ بڑی دھوم دھام سے سعد کو بارگاہ میں لائے۔ سعد نے قباد کے پائے تخت کو بوسہ دیا، امیر حمزہ کی خدمت میں

اتنی باتیں کر کے سعد نے کہا: ”یا امیر، جس روز میں شہر ثمرات میں قید



تھا۔ اسی روز معلوم ہوا کہ نوشیرواں کا خط
ہیکان کے پاس آیا ہے اور اس نے مدد
مانگی ہے۔ ہیکان نے سکندر عابد کو حکم دیا
کہ پانچ لاکھ سپاہی لے جاؤ اور شہنشاہ
نوشیرواں کی مدد کرو۔“

امیر حمزہ یہ سن کر مسکرائے اور کہنے
لگے: ”اللہ مالک ہے۔ اگر ہم سچائی اور حق
کے راستے پر ہیں تو فتح ہماری ہوگی۔“

پھر انہوں نے عمرو عیار کی طرف
دیکھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔
امیر حمزہ نے کہا: ”اے خواجہ کس فکر میں
ہو؟ بہت دیر سے چپ چاپ بیٹھے ہو۔“

تب عمرو نے انگڑائی لی اور کہنے
لگا: ”جب سے میں نے خداوند ثمرات کا
ذکر سنا ہے، طبیعت بے چین ہے۔ سعد نے
بتایا ہے کہ باغ ثمرات میں ہزاروں بت

سونے اور چاندی کے دھرے ہیں۔ جب
سے میرے منہ میں پانی بھر آیا ہے۔ کاش،
یہ سب بت میرے قبضے میں آسکتے۔“

”اے عمرو، خدا تم پر رحم

کرے۔ تمہاری زنجیل میں جتنے خزانے
بھرے ہیں، اتنے روئے زمین پر کسی اور
کے پاس نہ ہوں گے۔ مگر تمہاری لالچ میں
کمی نہ آئی۔“ یہ سن کر سب ہنس پڑے اور
عمرو شرمندہ ہو کر وہاں سے اٹھ گیا۔

سلطان سعد اور پیر فرخاری سے
رخصت ہو کر کرب غازی اپنے ساتھیوں کو
لے کر شہر ثمرات کی طرف آیا۔ راستے میں

کیا دیکھتا ہے کہ وہی سفید پوش نقاب دار
کیک، گارگیا، نوہد ہے۔ کرب غازی اور
فتاح اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور
قریب جا کر پوچھنے لگے کہ اسے نقاب دار،

نیری جرات اور نمت پر آفرین ہے۔ اگر
تو مدد کے لئے نہ آتا تو اب تک ہم خاک
خون میں پڑے لوٹ رہے ہوتے۔ اپنا
نام بتا۔“

تب نقاب پوش نے اپنے
چہرے سے نقاب اٹھایا اور فتاح اسے
دیکھتے ہی حیرت سے چلا اٹھا: ”اے گل

چہرہ، یہ تم ہو.....؟“

غازی نے ہام سے پوچھا۔ ”ماموؤں جان، یہ قلعہ کس نے بنوایا ہے اور اس کے اندر کون رہتا ہے؟“

ہام نے جواب دیا۔ ”اس کے بارے میں کچھ نہ پوچھو۔ یہ طلسم کرب نوس عادیہ ہے۔ اس میں جو داخل ہوا پلٹ کر نہیں آیا۔ ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے اس قلعے کے اندر ایک سو تیس برج ہیں۔ ہر برج کی اونچائی تین سو ساٹھ گز ہے۔ تمام برجوں پر ایک ایک دیو منہ سے نفیری لگائے کھڑا ہے۔ جو نہی کوئی شخص اس طلسم میں داخل ہوتا ہے، ایک شیر دھاڑتا ہوا آتا ہے اور اس آدمی کو منہ میں دبا کر لے جاتا ہے۔ اس موقع پر یہ تمام دیو زندہ ہو کر نفیری بجانے لگتے ہیں۔ اس آواز سے کوہ دیابان پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔“

یہ قصہ سن کر کرب غازی نے کہا۔ ”مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے پیدا کیا۔ اس طلسم کو توڑے بغیر یہاں سے نہ جاؤں گا۔“

گل چہرہ نے شرما کر سر جھکا لیا۔ یہ دراصل ہیکلان کی بیٹی تھی اور اسے کسی ذریعے سے شہر ثمرات میں قحاح کے آنے کا پتا چل گیا تھا اور جب اس نے سنا کہ کرب غازی اور قحاح قیدیوں کو رہا کرانے گئے ہیں تو بے تاب ہو کر اپنے لشکر کے ساتھ میدان میں آگئی۔

کرب غازی نے اسے دین ابراہیمی میں داخل کیا اور شہر اندروس میں پہنچ کر قحاح سے اس کی شادی کرا دی۔ معروف شاہ اور عادیہ بانو نے کرب غازی کے کارنامے سنے تو خوشی سے پھولے نہ سمائے اور جشن منانے کا حکم دیا۔ قحاح نے بھی شہر اندروس میں سکونت اختیار کی اور آسائش و آرام سے رہنے لگا۔

بہت دن اسی طرح گزر گئے۔ ایک دن کرب غازی اپنے ماموؤں ہام اور سام کے ساتھ صحرائیں شکار کھینے گیا۔ وہاں کالے پتھر کا قلعہ نظر آیا۔ جس پر نظر ڈالنے سے دل خوف کھاتا تھا۔ کرب

خیال سے باز آ جاؤ، نقصان اٹھاؤ گے لیکن
غازی نے اسے ڈانٹا اور کہنے لگا کہ میں جو
ارادہ کر چکا ہوں، خدا نے چاہا تو اسے پورا
کر کے رہوں گا۔ تب فتاح ناچار ہوا اور
اس نے بھی وہیں صحرا میں خیمہ لگایا۔

آدھی رات کے وقت کرب
غازی نے خواب میں دیکھا کہ ایک بڑھا
آیا ہے۔ اس کی لمبی سفید ڈاڑھی زمین کو
چھو رہی تھی۔ کرب غازی نے اس پیر مرد کو
سلام کیا اور پوچھا۔ ”آپ کون ہیں؟“
اس نے بتایا کہ ”میرا نام کرب نوس عاد
ہے۔ جس وقت میں اس دنیا میں جیتا تھا تو
میں نے سینکڑوں پہلوانوں اور جادو گروں
کو قتل کیا۔ سارے عالم میں میری بہادری
کی دھوم مچی، بڑے بڑے بادشاہ اور راجہ
مجھے خراج ادا کرتے اور میری غلامی کا دم
بھرتے تھے۔ قصہ مختصر یہ کہ میں نے برسوں
کی محنت کے بعد یہ طلسم بنایا تاکہ میرا نام
باقی رہے۔ اب میں اس طلسم کی فتح تجھے
بخشتا ہوں۔“

سام اور ہام کہنے لگے۔ ”اے
لڑکے، کچھ سودا کی ہوا ہے جو ایسی باتیں
کرتا ہے؟ کئی سو ماں آرزو میں قلعے
کے اندر مگنے اور لوٹ کر نہ آئے۔ تو کیا تیر
مارے گا۔ بس چپکا ہو جا اور ہمارے ساتھ
شہر واپس چل۔“

کرب غازی کا چہرہ طیش کے
مارے لال ہو گیا۔ مگر اس نے ہام اور
سام سے صرف اتنا کہا۔ ”آپ میرے
بزرگ ہیں، یہی کلمے کسی اور کے منہ سے
نکلے ہوتے تو گدی سے زبا میں کھینچ لیتا۔
اب بہتر یہی ہے کہ آپ تشریف لے
جائیں۔ میں آج کی رات اسی صحرا میں
آرام کروں گا۔“

ہام اور سام نے بہتیرا سمجھایا مگر
کرب غازی ٹس سے مس نہ ہوا۔ آخر
انہوں نے اسے وہیں صحرا میں چھوڑا اور
خود شہر واپس چلے گئے اور فتاح سے ذکر
کیا۔ وہ دوڑا دوڑا آیا اور کرب غازی کو
سمجھانے کی کوشش کی کہ اس بے ہودہ

کے لئے سیڑھیاں بنی ہوں گی۔ کنویں کی
تہہ میں پہنچ کر کچھ روشنی نظر آئے گی۔ ایک
بند دروازہ ملے گا۔ اسے کھول لینا اپنے
آپ کو ایک پر فضا باغ میں پائے گا۔
وہاں ایک بارہ دری یا قوت اور الماس کی
بنی ہوگی۔ اس کے اندر فولاد کا ایک
صندوق دھرا ہے۔ اس کو ہاتھ سے مت
چھونا بلکہ اپنا خنجر اس کے ڈھکنے پر رکھ
دینا۔ اسی وقت صندوق کھلے گا۔ اس کے
اندر حکیم جالینوس کا آئینہ رکھا ہے۔ بس یہ
آئینہ اٹھا لینا۔ یہ تجھے ہر مرحلے پر مشورہ
دے گا۔ بغیر آئینہ دیکھے کوئی کام نہ کرنا
ورنہ آفت میں پھنسے گا اور ہرگز رہا نہ
ہوگا۔“

یہ کہہ کر کرب کرب نوس عاد غائب
ہو گیا۔ غازی کی آنکھ کھلی۔ بدن پسینے سے
تر پایا۔ سانس پھولا ہوا تھا۔ اسی لمحے قحاح
کو جگا کر یہ خواب سنایا۔ اس نے مبارک
باد پیش کی۔

کرب غازی سورج نکلنے کے

کرب غازی یہ سن کر خوش ہوا
اور کہنے لگا۔ ”مگر یہ تو بتائیے کہ طلسم آخر فتح
ہوگا کیسے؟“

کرب نوس عاد بولا۔ ”سورج
نکلنے کے فوراً بعد گھوڑے پر سوار ہو کر
دائیں جانب روانہ ہو جائیو قلعے کو بائیں
ہاتھ چھوڑ دیجیو۔ بیابان میں ایک جگہ
نہایت سرسبز درخت ملے گا جس کی شاخیں
زمین کو چھوتی نظر آئیں گی۔ ہر شاخ میں
سے خون کے قطرے ٹپک رہے ہوں
گے۔ خنجر سے اس درخت کی جڑ کو کھودنا،
ایک یا قوت ملے گا۔ اس کے اندر سوراخ
ہوگا اس میں دھاگہ پرو کر یہ یا قوت اپنے
دائیں بازو پر باندھ لینا۔ ہر آفت سے
محفوظ رہے گا۔ پھر اس درخت سے آگے
پانچ سو قدم دور چل کر ایک بڑا کالا پتھر
زمین پر پڑا ہوگا، اسے اٹھانا۔ اس کے
نیچے ایک گہرا اور اندھیرا کنواں ہوگا۔ تو
بے خطر اس کنویں میں اتر جائیو۔ ہرگز
خوف نہ کھائیو۔ اس کنویں میں اترنے

فوراً بعد گھوڑے پر بیٹھ کر دائیں جانب چلا۔ جیسا کہ کرب نوس نے بتایا تھا وہی حالات پیش آئے۔ کنویں میں اتر کر بارہ دری کے اندر داخل ہوا۔ فولادی صندوق میں سے جالینوس کا آئینہ حاصل کیا۔ اس کے اوپر موٹے موٹے حروف میں لکھا تھا: ”جو شخص اس آئینے کو پائے تو“

خوب نہائے۔ پھر ایک جانب بیٹھ کر انتظار کرے۔ تھوڑی دیر بعد آسمان پر ایک بہت بڑا پرندہ نمودار ہوگا۔ اسے فیل مرغ کہتے ہیں۔ اس پرندے کی ٹانگوں سے چمٹ جائے۔ یہ پرندہ اسے لے کر اڑ جائے گا۔ پھر حسب ضرورت اس آئینے سے مشورہ کرے۔“

چند باتوں کا خیال رکھے۔ اول تو یہ کہ اس طلسم کی بربادی کا خیال دل میں نہ لائے۔ کیوں کہ اس کی بربادی آسمان نہیں ہے۔ دنیا کے چالیس حکیموں کی رائے اور مشورے سے یہ عجیب و غریب طلسم تیار کیا گیا ہے اور دوبارہ اسے بنانا ممکن نہیں۔ دوم اگر اسے فتح کرنے کا پکا ارادہ کر ہی لیا جائے تو پھر ضروری ہے کہ اس بارہ دری کے مغرب کی جانب سفر کرے۔ کچھ فاصلے پر سیاہ رنگ کی ایک عمارت نظر آئے گی۔ بے وہڑک اس میں چلا جائے۔ اس کے درمیان میں ایک حوض پانی سے لبا لب بھرا ملے گا۔ اس میں

کرب غازی تو اس طلسم کو فتح کرنے کی نیت سے آیا ہی تھا۔ فوراً مغرب کی طرف چل پڑا۔ ایک کوس دور کسی عمارت کے آثار دکھائی دیے۔ یہاں ایسی وحشت اور ویرانی تھی کہ رونگٹے کھڑے ہوتے تھے۔ عمارت ہزاروں برس پرانی معلوم ہوتی تھی اور اوپر سے نیچے تک کالے پتھر کی بنی ہوئی تھی۔ اس کا دروازہ بھی نہایت عالی شان تھا۔ کرب غازی خدا کا نام لے کر اندر گیا۔ حوض میں نہایا۔ پھر باہر آ کر بیٹھا۔ چند لمحے بعد آسمان پر ایک گونج دار آواز سنائی دی۔ نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ ایک دیو جیسا پرندہ پر پھڑ پھڑاتا ہوا ماہنامہ بچوں کی کہانیاں کراچی

وہاں اتر رہا تھا۔ اس کی نانگیں درخت کے
 تنے کی مانند موٹی موٹی اور مضبوط تھیں۔
 پروں کی پھڑپھڑاہٹ سے آندھی سی
 آگئی۔ کرب غازی لپک کر گیا اور پرندے
 کی ایک ٹانگ سے چٹ گیا۔ وہ اسے
 لے کر اڑا اور اتنی اونچائی پر پہنچا کہ جب
 غازی نے نیچے جھانکا تو زمین ایک گیند کی
 مانند نظر آنے لگی۔ بہت دیر تک یہ پرندہ
 آسمان کی وسعتوں میں اڑتا رہا۔ پھر آہستہ
 آہستہ نیچے اترنے لگا۔ بے چارہ کرب
 غازی آنکھیں بند کئے خدا کو یاد کر رہا تھا۔

یہ ایک فیل مرغ نے ایک جھکا
 مارا اور کرب غازی کٹی ہوئی پتنگ کی طرح
 ہوا میں اڑتا اور قلابازیاں کھاتا نیچے آیا اور
 ایک درخت کی شاخوں میں الجھ گیا۔ جب
 حواس ٹھیک ہوئے تو جیب سے جالینوس کا
 آئینہ نکال کر دیکھا۔ اس پر لکھا تھا:

”اس طلسم کو فتح کرنے والے
 شخص پر لازم ہے کہ تھوڑی دیر تک آرام

کرے۔ اس کے بعد ایک دیو اسی درخت

ماہنامہ بچوں کی کہانیاں کراچی — ۲۸

کے نیچے سے نکلے گا اور لڑائی کے لئے
 لکارے گا مگر تو اس کی طرف ہرگز توجہ نہ
 دیجو، اور اس کی بات کا جواب دینے سے
 پرہیز کجیو۔ وہ دیو ناراض ہو کر درخت پر
 چڑھے گا۔ اس وقت تو موقع پا کر چھلانگ
 لگائیو اور اس دیو کی گردن پر سوار ہو جائیو۔
 اگر اس کی ہیت تیرے دل پر طاری ہوئی تو
 سمجھ لے کہ وہ دیو تجھے چٹ کر جائے گا اور
 ہرگز زندہ نہ چھوڑے گا۔“

کرب غازی نے چند لمحے
 درخت پر آرام کیا۔ اتنے میں زمین ایک
 شور سے پھٹی اور سرخ رنگ کا ایک خوف
 ناک دیو نمودار ہوا۔ اس کی آنکھیں
 انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں اور لمبے
 لمبے سفید دانت منہ سے باہر نکلے ہوئے
 تھے۔ ہاتھ میں چمکتی ہوئی تلوار تھی۔ کرب
 غازی نے دیو کو دیکھ کر خوف سے آنکھیں
 بند کر لیں۔ یہاں تک کہ دیو نے گرج دار آواز
 میں کہا:

”اے آدم زاد، نیچے اتر اور مجھ

سے مقابلہ کر۔ ورنہ درخت پر چڑھ کر
تیرے جسم کا ایک ایک حصہ تلواریں سے کاٹ
ڈالوں گا۔“

کرب غازی نے کوئی جواب
نہ دیا۔ دیونے کئی بار اسے مقابلے کے لئے

لکارا، مگر بے سود۔ آخر دیو درخت پر
چڑھنے لگا۔ کرب غازی نے موقع پا کر

چھلانگ لگائی اور اس کی گردن پر سوار
ہو گیا۔ دیو ہوا کی رفتار سے اڑا اور کرب

غازی کو ایک دریا کے کنارے اتار کر
غائب ہو گیا۔ اس دریا میں سے طرح

طرح کی خوفناک آوازیں پیدا ہو رہی
تھیں۔ دلیر ہونے کے باوجود کرب غازی

کا دل ٹھرا گیا۔ دریا کے دونوں کناروں پر
نہایت گھنا جنگل تھا۔ یکا یک ایک ہولناک

شور کے ساتھ جنگل میں سے سینکڑوں شیر،
چیتے، بھیڑیے، ریچھ، بن مانس اور

گینڈے دوڑتے ہوئے آئے۔ کرب
غازی بدحواس ہو گیا لیکن اتفاقاً آئینے پر

نظر پڑ گئی۔ اس پر لکھا تھا:

”اے کرب، ان درندوں سے
ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ان میں کالے
رنگ کا ایک شیر ہے۔ جب وہ تیرے
نزدیک آئے تو اچھل کر اس کی پیٹھ پر سوار
ہو جا۔“

غازی نے کالے شیر کو دیکھ لیا۔
وہ تمام درندوں میں سب سے بڑا اور اونچا

تھا۔ جونہی وہ دوڑتا ہوا قریب آیا، کرب
غازی اچھل کر اس کی پشت پر سوار ہوا اور

دونوں کان پکڑ لیے۔ شیر پہلے تو خوب
اچھلا کودا اور کرب غازی کو گرانے کی

کوشش کی۔ مگر کرب غازی اس کے بدن
سے اس بری طرح چمٹا ہوا تھا گو شیر ہی کے

جسم کا کوئی حصہ ہے۔ اچانک شیر دریا میں
کود گیا۔ تب کرب غازی کی آنکھوں تلے

اندھیرا اچھایا اور کچھ ہوش نہ رہا۔ جب
آنکھیں کھلیں تو اپنے آپ کو ایک عالی

شان مکان میں پایا۔ قریب ہی کالا شیر مرا
پڑا تھا۔ غازی نے اسے غور سے دیکھا تو

حیران ہوا۔ معلوم ہوا کہ یہ مسنونعی شیر

ہے۔ کھال کے اندر گھاس پھوس بھرا تھا۔
 دل میں سوچنے لگا یا الہی یہ کیا تماشا ہے۔
 اس مکان میں خوب گھوما پھرا مگر کسی کو نہ
 پایا۔ اتنا بڑا مکان خالی پڑا تھا۔ البتہ جا بجا

شیروں اور چیتوں کے مجسمے وہاں رکھے
 تھے اور ان کے جڑوں میں انسانی ہاتھ
 پاؤں دبے ہوئے تھے۔ کرب غازی ان
 سب کو حیرت کی نظروں سے دیکھتا بھالتا چلا
 جا رہا تھا کہ ناگہاں آسمان کی جانب سے
 ایک دیو نے آواز دی:

”او آدم زاو کدھر جاتا ہے؟“
 دیکھ، ابھی تجھے ہڑپ کرتا ہوں۔“

یہ کہہ کر دیو نیچے اترا۔ اس کی
 آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے اور ہاتھ
 میں کلہاڑا تھا۔ کرب نے بھی جلدی سے
 اپنی تلوار کھینچی اور لڑنے کے لئے مستعد
 ہوا۔ یہ دیکھ کر دیو نے منہ کھول کر ایسا قہقہہ
 لگایا کہ مکان خشک پتے کی طرح کاٹنے

لگا۔ کرب غازی نے بڑھ کر تلوار ماری۔
 اتنے میں وہ دیو دھواں بن کر تمام مکان
 میں پھیل گیا اور ایسا اندھیرا چھایا کہ قریب
 کی چیز بھی نظر نہ آتی تھی۔ بے چارہ کرب
 غازی پریشان ہوا اور گھٹنوں میں سر دے
 کر بیٹھ رہا۔

بہت دیر بعد تاریکی دور ہوئی۔
 کیا دیکھتا ہے کہ نہ وہ مکان ہے نہ دھواں،
 ایک لق ووق صحرا ہے، جس میں دور دور
 تک ریت کے ٹیلے اور پہاڑ بکھرے
 ہوئے ہیں۔ کچھ دور اک مکان نظر آیا۔
 اس کے قریب ہی ہزاروں آدمی چلتے
 پھرتے اور کام کاج میں مصروف دکھائی
 دیے۔ کرب غازی خوشی خوشی اس طرف
 چلا۔ ایک شخص کے پاس جا کر سلام کیا۔ مگر
 اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ دوسرے سے
 بات کرنا چاہی مگر اس نے بھی توجہ نہ دی۔
 غرض کرب نے جیسے بھی مخاطب کیا، وہی
 انجان بن گیا آخر کرب غازی نے چیخ کر
 کہا:

”معلوم ہوتا ہی تم سب بہرے
 ہو۔ میری آواز نہیں سنتے۔“

اس پر سب بننے لگے اور تہقہے لگانے لگے۔ پھر کوئی منہ چڑانے لگا اور کوئی گالیاں دیتا تھا۔ یہ حرکتیں دیکھ کر کرب کو طیش آیا۔ تلوار نکال کر انہیں مارنے کے لئے جھپٹا مگر یک لخت وہ سب کے سب غائب ہو گئے اور کرب اس صحرا میں اکیلا رہ گیا۔ آئینے میں دیکھا، لکھا تھا:

”اے کرب غازی، ان شعبدوں سے بدحواس نہ ہو، ناک کی سیدھ میں چلا جا۔“

وہ آگے بڑھا۔ ایک کنواں ملا۔ کندر کے ذریعے اس کے اندر اتر گیا کیا دیکھتا ہے کہ کنویں کی تہ میں ایک چراغ روشن ہے اس کی روشنی میں ایک دروازہ نظر آیا۔ اسے کھولا تو ایک میدان میں داخل ہوا۔ وہاں دو گائیں آپس میں لڑ رہی تھیں۔ دونوں کے سینگ ایک دوسرے میں گتھے ہوئے تھے۔ کرب غازی نے آئینے سے مشورہ لیا۔ لکھا تھا: ”اپنی قوت بازو سے کام لے اور دونوں کو الگ الگ کر۔“

کرب غازی آستینیں چڑھا کر گایوں کی طرف بڑھا اور ان کو الگ الگ کیا۔ اب جو غور سے دیکھا تو یہ بائیں بھی گھاس پھوس کی بنی ہوئی ہیں۔ دل میں کہنے لگا یہ طلسم جن حکیموں نے بنایا ہے، وہ بھی عجب مسخرے تھے۔ خالوں نے جو چیز بھی بنائی ایسی ہی بنائی۔ آگے بڑھا تو دیکھا دو مینڈھے لڑتے ہیں۔ انہیں بھی آئینے کی ہدایت پر الگ الگ کیا۔ اب جو دیکھا تو یہ مینڈھے بھی موم اور اون کے بنے ہوئے تھے۔ وہاں سے آگے چلا۔ ایک باغ میں سے گذر ہوا۔ یکا یک سپاہیوں کا ایک غول نمودار ہوا ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا وہ کرب غازی پر حملہ کرنے آرہے ہیں۔ اس نے آئینہ میں دیکھا، لکھا تھا:

”یہ سب کے سب موم کے بنے ہوئے ہیں۔ جلدی سے یہ آئینہ زمین پر پھینک دے اور تماشا دیکھ۔“ (باقی آئندہ)

تاریخی، ادبی، رومانی، روحانی، طبی،
نفسیاتی، تخلیقی، شاعری، طنز و مزاح اور
کھانے پکانے کی کتاب اور
ماہنامہ بچوں کی کہانیوں کے لئے

رائٹرز سلیکشن

کو یاد رکھیں

فریئر مارکیٹ (اخبار مارکیٹ)
صدر کراچی۔

فون: 021-32760892

طلسمی دھاگہ

مرزا حمید بیگ کراچی

گلابی جاڑوں کی رات تھی،
اگلے روز اسکول بند تھے، اس لئے
سب بچے خوش تھے۔ ماموں جان کے
کمرے میں سب جمع تھے۔ ماموں
جان کی آواز گونجی کہ آج ماموں جان
کہانی سنائیں گے۔
”اچھا بھئی، اب تم میں سے
کوئی نہیں بولے گا۔ ہم کہانی شروع
کرتے ہیں اور ہاں جو کہانی کے
دوران کوئی بولا۔ اُس کے کان کھینچ لئے
جائیں گے۔ جی ہاں.....“ ماموں
جان نے کہا۔

لیکن پڑھنے لکھنے سے اسے کوئی دلچسپی
نہ تھی۔ اُس کی عادتیں عجیب و غریب
تھیں۔ جب وہ اسکول میں ہوتا تو گھر
کے متعلق سوچتا تھا۔ گھر میں ہوتا تو
اسکول کے بارے میں سوچتا رہتا۔
اصل میں اُسے کسی حالت میں چین
نہیں آتا تھا۔ جب شام ہوتی تو کہتا،
کاش! اس وقت سویرا ہوتا اور جب
سویرا ہوتا تو کہتا، کاش! اس وقت شام
ہوتی۔ رات ہوتی تو کہتا، کاش! دن
چڑھ آئے اور دن آتا تو رات کے
لئے دعائیں کرتا۔

”کہتے ہیں کسی شہر میں ایک
بیوہ عورت رہتی تھی جس کا صرف ایک
بی بیٹا تھا۔ اُس کا نام دارا تھا۔ وہ
یانچویں جماعت میں پڑھتا تھا۔
اور جب گرمیوں کا موسم آتا
تو بڑی حسرت سے کہتا۔ کاش! سردی آ
جائے۔ اور جب سردیاں آتیں تو بھی
اسے قرار نہ آتا اور گرمیوں کی دُعا



مانگنے لگتا۔ بہار کی رُت آتی تو پت جھڑ
کی آرزو کرنے لگتا۔ پت جھڑ ہوتی تو
بہار کے لئے بے چین ہو جاتا۔ مطلب
یہ کہ بڑا ہی عجیب و غریب لڑکا تھا۔ کلاس
میں بیٹھا ہوتا تو اس کے خیالات کہیں
اور بھٹک رہے ہوتے۔

دارا کی ماں اُس سے بہت
تنگ تھی۔ ایک دن کی بات ہے کہ دارا
گہری نیند سویا ہوا تھا کہ اچانک کسی نے
اُسے دو تین مرتبہ زور زور سے پکارا۔

”دارا! دارا! دارا!“ وہ
ہڑبڑا کر اٹھا، کیا دیکھتا ہے کہ ایک
بڑھیا جس کی عمر تقریباً ستر اسی برس کی
ہوگی اُس کے سر ہانے کھڑی ہے۔ دارا
اُسے حیرت سے دیکھنے لگا کہ جان نہ
پہچان، میں تیرا مہمان۔ اسی حیرت میں
تھا کہ بڑھیا کہنے لگی۔ ”دارا بیٹے! میں
تمہارے پاس اس لئے آئی ہوں کہ تم
جو کچھ سوچتے رہتے ہو، اُسے پورا
کر دوں۔“

دارا نے پوچھا: ”آپ
میری کون سی فرمائش پوری کرنے
تشریف لائی ہیں؟“

بڑھیا نے جواب دیا: ”میں
تمہاری ہر خواہش کو پورا کر سکتی ہوں۔“
دارا نے حیران ہو کر

پوچھا: ”ایسی کون سی چیز ہے آپ کے
پاس کہ میری ہر خواہش پوری ہو
جائے گی۔“

بڑھیا نے اُسے ایک گیند
دیتے ہوئے کہا۔ ”یہ گیند دیکھ رہے ہو،
یہ طلسمی گیند ہے، اس کے اندر ایک
سنہرا دھاگہ لٹک رہا ہے، اس گیند کی
یہ خاصیت ہے کہ یہ وقت کو تبدیل کر سکتی
ہے۔ اس کے استعمال کا طریقہ یہ ہے
کہ اس سنہرے دھاگے کو تھوڑا سا باہر
کھینچو تو وقت تیزی سے گزر جاتا ہے۔
اگر دن میں تھوڑا سا کھینچو گے تو رات ہو
جائے گی۔ اور رات کو کھینچو گے تو دن ہو
جائے گا۔ اسی طرح دن، اور مہینے اور

سال بھی تیزی سے گزارے جا سکتے ہیں۔

اسی روز مر جاؤ گے۔“
دارا نے یہ سنا تو دھک سے
رہ گیا۔ دل میں کہنے لگا، ایسی گیند کو
پانے سے فائدہ؟“

اگر چاہو تو اس گیند کے
ذریعے تم وقت سے پہلے جوان ہو سکتے
ہو۔“

بڑھیا نے کہا: ”اور دیکھو!
گیند کے سُنہری دھاگے کو کبھی بکھار ہی
کھینچنا، نہیں تو تمہاری عمر کم ہو جائے گی
اور بعد میں پچھتاؤ گے۔ ایک بات اور
کہ دھاگے کو بہت زور سے نہ کھینچنا۔
اگر ٹوٹ گیا تو تمہاری خیر نہیں۔“

ہاں تو جب بڑھیا نے دارا
سے یہ کہا کہ تم وقت سے پہلے جوان ہو
سکتے ہو تو وہ بہت خوش ہوا۔ کہنے لگا: ”یہ
تو بڑی کام کی گیند ہے۔ لائیے دادی
اماں مجھے دے دیجئے۔“

دارا نے پوچھا: ”کیا آپ
یہ گیند مفت میں دیں گی یا کچھ پیسے
لیں گی؟“

بڑھیا نے جواب دیا:
”اُبھی نہیں۔ پہلے میری بات غور سے
سن لو اور اس کی شرطیں بھی سن لو۔“

بڑھیا نے جواب دیا: ”اس
کی قیمت کوئی انسان ادا نہیں کر سکتا۔
اس لئے یہ مفت ہی میں دی جاتی ہے۔
اچھا تو کیا خیال ہے؟ گیند لو گے یا
واپس لے جاؤں؟“

دارا نے بے چینی سے کہا:
”دادی اماں مجھے ہر شرط منظور ہے۔“
مگر بڑھیا کہنے لگی: ”نہیں،
یوں نہیں۔ پہلے شرطیں سن لو۔ پھر فیصلہ
دینا، اسی میں تمہاری بہتری ہے۔ سب
سے پہلی شرط تو یہ ہے کہ تم اس گیند کا ذکر
کبھی سے نہیں کرو گے، اور اگر کرو گے تو

بڑھیا نے ایک بار پھر
پوچھا۔ ”کیا سوچ رہے ہو؟ اگر مرضی

سے پہلی شرط تو یہ ہے کہ تم اس گیند کا ذکر
کبھی سے نہیں کرو گے، اور اگر کرو گے تو

نہیں ہے تو میں گیند واپس لے جاتی ہوں۔ زبردستی کی بات نہیں۔“

ڈارا نے کہا: ”لایئے مجھے ہر شرط منظور ہے۔“ اور یہ کہتے ہوئے اُس نے بڑھیا سے گیند لے لی۔ بڑھیا ایک دم سے غائب ہو گئی۔

جب جادوگر نے غائب ہو گئی تو ڈارا نے گیند کو الٹ پلٹ کر دیکھنا شروع کر دیا۔ گیند بے حد ہلکی تھی۔ ایک طرف سوراخ تھا، جس میں سے سنہرا دھاگہ جھانک رہا تھا۔ گیند کی رنگت بھی سنہری تھی۔

ڈارا گیند کو جیب میں ڈال کر گھر آیا اور بستے لے کر اسکول چلا گیا۔ گیند کو اس نے نیکر کی جیب میں ٹھونس لیا تھا۔

ماسٹر صاحب سبق پڑھاتے رہے اور اس کا دھیان کہیں اور بھٹکتا رہا۔

اچانک استاد صاحب نے

دیکھا کہ ڈارا کا دھیان نہیں اور ہے تو انہوں نے ڈانٹ کر کہا: ”ڈارا تم دھیان سے کیوں نہیں بیٹھتے؟ ہم سبق پڑھا رہے ہیں۔ اور تم کہاں گھوم رہے ہو؟“ ڈارا کو استاد صاحب کی ڈانٹ ڈپٹ بہت بری لگی اور اس نے طلسمی گیند کا دھاگہ تھوڑا سا کھینچ دیا۔ بس پھر کیا تھا۔ وقت ایک دم گزر گیا اور چھٹی ہو گئی۔

ڈارا بہت خوش تھا، اپنے آپ سے کہنے لگا۔ ”ڈارہ ری ڈادی اماں! کیا انوکھی گیند دی ہے، خدا تمہیں جنت نصیب کرے۔“

رات کو جب وہ پڑھنے بیٹھا تو اجی اکتا گیا۔ بستر پہ جا کے لیٹا تو نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ رہ رہ کے جادو کی گیند کی طرف دھیان جاتا تھا۔ کبھی سوچتا کہ تھوڑا سا دھاگہ کھینچ دوں اور کبھی کہتا نہیں، آج نہیں، کل دیکھا جائے گا۔

جب رات آدھی سے زیادہ گزر گئی تو صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے لگا۔ ہنامہ بچوں کی کہانیاں کراچی — ۳۷

لگا۔ تلیے کے نیچے سے گیند نکالی اور
دھاگہ کھینچ دیا اور یہ لوسورا ہو گیا۔
بہت خوش ہوا کہ کیسی انوکھی شے ہاتھ
آئی ہے۔

اگلے روز چھٹی تھی۔ اس
لئے اسکول سے جان چھوٹی لیکن گھر
میں بھی اس کا جی نہیں لگتا تھا۔ کبھی
ادھر جاتا، بھی ادھر۔ آخر تنگ آ کر
اندر گیا اور دھاگہ کھینچ دیا، اور یہ لو پھر
رات ہو گئی۔ رات نہ کئی تو پھر سے
دھاگہ کھینچ دیا اور صبح ہو گئی۔ اب یہ
اسکول پڑنے۔ حساب کے استاد ایک
سوال سمجھا رہے تھے اور سوال خاصا
مشکل تھا۔ ڈارا کو جواب سے خدا
واسطے کا بیر تھا۔ اس نے آہستہ سے
دھاگہ کھینچا اور چھٹی کی گھنٹی بج گئی۔

اب وہ اسکول کی زندگی سے تنگ آ چکا
تھا اور چاہتا تھا جلد از جلد جوان ہو کر
اپنے باپ کے کام یعنی بوڑھنی کے کام
میں نہارت پیدا کرے۔ لیکن ابھی تو

وہ بہت چھوٹا تھا۔ اور جوان ہونے کا
انتظار کرنا تھا۔ ڈارا نے فیصلہ کر لیا کہ
خواہ کچھ ہو، آج دھاگہ کھینچ دوں گا اور
پھر جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ رات ہوئی،
کھانا کھا کے اپنے بستر پر پہنچا تو طلسمی
گیند کا دھاگہ کھینچنے کا خیال آیا۔ خیال
آنے کی دیر تھی کہ اُس نے گیند نکالی،
سُہرے دھاگے کو غور سے دیکھنے لگا۔
سوچتا تھا کہ اب کیا کرے؟ وقت سے
پہلے جوان ہو جانا اچھا ہے یا نہیں؟ اس
میں کوئی نقصان تو نہ ہوگا؟ امی تو ناراض
نہ ہوں گی؟ بہت دیر تک وہ اسی اُدھیڑ
بن میں لگا رہا اور آخر اس نتیجہ پر پہنچا
کہ جوان ہی ہو جانا بہتر ہے۔ اور اس
کے ساتھ زور سے دھاگہ باہر کھینچا۔
دھاگہ کھینچتا چلا آیا اور ڈارا سترہ سال کا
ایک صحت مند نو جوان بن گیا۔

صبح اٹھ کے ماں کے پاس
آیا تو وہ حیران ہوئیں کہ رات بھر میں
وہ سترہ سال کا کیسے ہو گیا؟! لیکن

اُنہوں نے اپنے وجود پر غور اُلی تو یہ دیکھ کر اور بھی حیران ہو گئیں کہ اُن کے بال آدھے سے زیادہ سفید ہو چکے تھے اور چہرے پر بڑھاپے کے آثار پیدا ہو چلے ہیں۔ ذارا اُب جوان ہو چکا تھا۔ ایک ہی رات میں وہ بچپن سے جوانی کے دور میں پہنچ آیا تھا اس وقت وہ صحن میں بیٹھا کام کر رہا تھا کہ ایک لڑکی اُن کے گھر میں داخل ہوئی۔

پھر اپنی خالہ سے مخاطب ہوئی۔ ”خالہ جان، آپ بھی خاصی بدل گئی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک ہی رات میں یہ تبدیلی کیسی آ گئی ہے ہم میں؟ آپ ہی کچھ بتائیے۔“

اُنہوں نے جواب دیا۔ ”میں خود حیران ہوں بیٹی کہ یہ کیا ہوا ہے؟ ذارا، میں اور تم ایک ہی رات میں کہاں سے کہاں جا پہنچے ہیں۔ ہو سکتا ہے، ہم خواب دیکھ رہے ہوں۔“

”امی جان، آپ بھی خوب ہیں۔ بھلا یہ کوئی خواب کی بات ہے۔ لیجئے میں آپ کو بتاتا ہوں کہ ہم پہ کیا بیٹی ہے۔“ ذارا نے کہنا شروع کیا۔

”ذراصل میں نے رات کو دعا کی تھی کہ رُب کریم مجھے اور میری خالہ زاد بہن فیروزہ کو ایک دم سے

”اُرے یہ تو فیروزہ ہے!“
ذارا کے منہ سے بے اختیار لگا، فیروزہ اس کی خالہ کی لڑکی تھی اور اُس کی ہم عمر تھی، حیرت کی بات یہ تھی کہ ذارا کے ساتھ وہ بھی جوان ہو گئی تھی۔

ذارا نے اسے دیکھا تو کہنے لگا۔ ”کل تو تم چھوٹی سی تھیں، آج ایک دم جوان ہو گئی ہو یہ کیا راز ہے؟“

اُس نے جواب دیا: ”تم بھی تو چھوٹے سے تھے، تم اتنے بڑے کیسے ہو گئے؟“

تھی۔ ہر کوئی اسی سے کام کروانا چاہتا تھا۔ وہ بڑی محنت اور دیانت داری سے کام کرتا تھا اور جب شام کو لوٹتا تو یہ ڈھیر سارے پیسے لاتا تھا۔

ماں نے جب یہ دیکھا کہ ڈارا اب اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا تو اس نے اُس کی شادی اپنی بھانجی فیروزہ سے کر دی۔ اب وہ دو کے بجائے تین افراد ہو گئے تھے۔ اور وقت بڑی سہولت سے کٹ رہا تھا۔

”لیکن ڈارا کی بے چینی اور بے قراری اب بھی نہ گئی، اُس سے آنے والے وقت کا انتظار نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ ہر کام وقت سے پہلے کر دینے کا خواہش مند تھا۔ جب جی چاہتا موسم تبدیل کر لیتا۔ جب چاہتا۔ دن سے رات کر لیتا اور صبح سے شام بنا دیتا۔

”چھ ماہ بیت گئے اور ان کے ہاں کوئی بچہ نہ ہوا۔ ڈارا دوسروں کے ننھے ننھے گول منول بچوں کو دیکھتا

جوان کر دے۔ اور میری امی حضور کو بڑھاپے کی سیڑھی پر کھڑا کر دے۔ بس دُعا قبول ہو گئی اور ہم کچھ سے کچھ ہو گئے۔“

ڈارا اب بہت اچھا کاری گربن چکا تھا۔ اتنی مہارت سے کام کرتا تھا کہ دوسرے بڑھئی اسے رشک کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ سمیرا بول اُٹھی: ”ماموں جان ”رشک“ کسے کہتے ہیں؟“

ماموں جان نے جواب دیا: ”مطلب ہے دوسرے لوگ اسے دیکھ کر اپنے دل میں کہتے ہیں کہ ہم اس سے بھی اچھا کام کریں گے۔ رشک دراصل کسی دوسرے سے بہتر بننے یا اُس جیسا بننے کی خواہش کو کہتے ہیں، اچھے لوگ رشک کرتے ہیں اور بے وقوف لوگ حسد کرتے ہیں، یعنی دوسروں سے جلتے ہیں۔ ہاں تو تم کہہ رہے تھے کہ ڈارا کے کام کی بڑی دھوم، ہنسنے بچوں کی کہانیاں کراچی — ۴۰

تو اسے بھی بڑا رشک آتا اور خدا سے
دُعا مانگنے لگتا۔

ایک روز اُس نے خواب
میں دیکھا کہ کوئی اُسے بتا رہا ہے کہ دو
سال تک اُن کے ہاں کوئی اولاد نہ
ہوگی۔ ڈارا بہت اُداس ہو گیا۔ اچانک
اُسے اپنی گیند کا خیال آیا۔ فوراً گیند
نکالی اور دھاگہ کھینچ دیا۔ یہ لوگ اُن
کے ہاں فوراً ہی چاند سا بیٹا آ گیا۔
خاموش محن بچے کی آواز سے گونج اُٹھا۔
اگلے ہفتے اُس نے پھر
دھاگہ کھینچا اور ایک بچہ اور آ گیا۔

تیسرے ہفتے پھر یہی ہوا اور
اب تین بچے ہو گئے۔

چوتھے ہفتے اُس نے پھر
دھاگہ کھینچا اور چار بچے ہو گئے۔

پانچویں ہفتے بچوں کی تعداد
پانچ ہو گئی۔ چھٹے ہفتے ایک اور بچہ
آ گیا۔

ساتویں ہفتے ایک اور۔ اور

پھر اُس نے دھاگہ اتنی بار کھینچا کہ اُس
کے بچوں کے ہاں بچے ہو گئے۔ اور
ڈارا اب دادا میاں بن گئے۔ بال
سفید ہو گئے، جسم کمزور ہو گیا، نظر دُھندلا
گئی۔ اور طاقت ختم ہو گئی۔ ماں مر گئی۔
اور دونوں میاں بیوی، بوڑھا اور بڑھیا
کھلانے لگے۔

اُس نے گیند کو اس قدر
استعمال کیا کہ وقت سے پہلے ہی اُس کی
کمر میز، آنکھوں پر چشمہ لگ گیا تھا
اور ہاتھ میں چھڑی وغیرہ لے کر چلتا
تھا۔ دونوں میاں بیوی رات بھر کھانستے
رہتے تھے اور اپنے کنبے کو بے آرام
کرتے تھے۔

ڈارا کو بہت افسوس ہوتا کہ
اُس نے جان بوجھ کر اپنا وقت برباد کر
دیا۔ اگر وہ وقت کی قدرتی رفتار پر صبر
کرتا تو اب کہیں جا کر جوان ہوتا۔ اُس
کے ساتھ کے بچے اب جوان ہوئے
تھے۔ اور یہ ستر سال کا بڑھیا تھا۔

دھاما بچوں کی کہانیاں کراچی — ۱۵۱

بھی ایک ایک کر کے گرنے لگے تھے۔
 سر بھی گنجا ہو گیا تھا اور ہاتھوں پر کپکپی سی
 طاری رہتی تھی۔ اولاد کماتی تھی اور یہ
 کھاتے تھے۔

ایک روز کی بات ہے، وہ
 گہری نیند سویا ہوا تھا کہ کسی نے اسے
 زور زور سے پکارا۔ دیکھا کہ وہی
 بڑھیا کھڑی ہے۔ جس نے اسے
 جادو کی گیند دی تھی۔ بڑھیا نے اس
 سے کہا: ”ڈارا! تم نے یہ کیسی حالت بنا
 رکھی ہے؟“

ڈارا نے جواب دیا: ”یہ
 سب تمہاری گیند کا کیا دھرا ہے، نہ
 تم مجھے گیند دیتیں اور نہ میں اس
 حالت کو پہنچتا۔“

بڑھیا نے کہا: ”اے عقل
 کے اندھے، کیا میں نے تمہیں مجبور کیا
 تھا کہ گیند ضرور لے لو؟ اور یہ بھی میں
 نے کہا تھا کہ ہر روز بیسیوں بار دھاگے
 کو کھینچتے رہنا اور اپنی عمر کا ستیاناس کر

لینا، اپنا وقت برباد کر لینا۔ قصور تو سب
 تمہارا اپنا ہے اور الزام مجھے دیتے ہو،
 یہ کہاں کا انصاف ہے؟ ایک تو تم پہ
 احسان کیا، اوپر سے دوش بھی مجھی کو
 دیتے ہو؟

واہ بھی، نیکی کا صلہ اچھا
 دیتے ہو، عقل کو چھوڑ کے وحشت کی
 لیتے ہو، اگر یہی بات تھی تو گیند واپس
 کر دی ہوتی۔“

ڈارا نے کہا: ”اچھا یہ بتاؤ
 کہ یہ دھاگہ اب پیچھے نہیں جاسکتا۔“

بڑھیا نے جواب دیا: ”یہ
 ناممکن ہے، قدرت کے قانون کے
 خلاف ہے۔ وقت آگے بڑھتا ہے۔
 پیچھے نہیں ہٹتا۔ جو بوڑھا ہو گیا وہ جوان
 نہیں بن سکتا، جو جوانی کے عہد میں ہے
 وہ بچپن کے دور میں نہیں جاسکتا۔ ہمیشہ
 آگے بڑھتا ہے۔ اس کی رفتار مستقل
 ہے۔ یہ گھٹتی بڑھتی نہیں ہے۔“

ڈارا نے کہا: ”اگر یہ بات

کوئی شک ہے؟ گیند کے متعلق تمہیں پتا ہوگا، دودن سے سُن رہی ہوں، خواب میں تم بڑا بڑا کرتے رہتے ہو گیند، گیند؟“
 دارا نے خوش ہو کے پوچھا:
 ”تو کیا میں بے ہوشی میں خواب دیکھتا رہا ہوں امی۔“

امی بولیں: ”ہاں بیٹے خواب میں ایسا کثر ہوتا ہے۔“
 اور دارا اُٹھ کے امی سے لپٹ گیا۔ ”میری پیاری انی! خدا کا شکر ہے کہ آپ زندہ ہیں۔ میں نے بڑا لمبا خواب دیکھا ہے۔ عجیب و غریب، آپ سُنیں گی تو ہنسیں گی۔“ اور امی اُسے گود میں لے کر پیار کرنے لگیں۔
 اب دارا نے اپنی پرانی عادتیں چھوڑ دی ہیں اور روزانہ اسکول جاتا ہے اور دل لگا کر پڑھتا ہے۔ آپ بھی دل لگا کر پڑھا کیجئے۔
 (ختم شد)

ہے تو اپنی یہ گیند واپس لے لو اور مجھے کوئی دوسری دے دو۔“ مگر بڑھیا نے انکار کر دیا۔ جب اُس نے بہت اصرار کیا تو بڑھیا نے گیند واپس لے لی اور جنگل میں غائب ہو گئی۔

اچانک دارا کی آنکھ کھل گئی۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہ اپنی چارپائی پر پڑا ہے اور ابھی تک بچپن میں ہے اور امی اُس کے سر ہانے کھڑی ہیں۔
 ”میں کہاں ہوں امی جان؟“
 کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں؟“
 امی نے جواب دیا: ”بیٹے تم دودن سے بے ہوش ہو، تمہیں بخار نے بے ہوش کر دیا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ آج تم نے آنکھ کھولی۔ اب تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔“

دارا نے حیرت سے پوچھا:
 ”امی جان! آپ زندہ ہیں؟ اور وہ..... گیند اور دھاگہ!“

امی بولیں: ”ہاں بیٹھے تمہیں

دُتو بوٹا

لوگ ہیں جن کے بغیر سماج کی گاڑی چلنا ناممکن ہے۔ اب ہم نے طے کر لیا کہ انہی پر خاکے لکھیں گے، کیوں کہ ان سے بہتر ہم کسی کو نہیں جانتے۔ چنانچہ یہی وہ عظیم شخصیات ہیں جنہیں ہم اپنے زورِ قلم سے مزید عظیم بنائیں گے اور وہ معروف ہستیاں ہیں۔ دھوبی، ماسی اور جمعدار۔

دُتو دھوبی :

ہمارے دھوبی کا نام ”دُتو“ ہے۔ معلوم نہیں اصلی نام یہی ہے یا کسی نے پیار میں بگاڑا ہے۔ اگرچہ ہمارا دھوبی اس لائق ہرگز نہیں کہ اس سے اتنا پیار کیا جائے۔ دھوبی کو سب سے سے پیارا گدھا ہوتا ہے اور گدھے کو

اکثر مصنفین، ایسی ”عظیم شخصیات“ کے خاکے تحریر کرتے ہیں، جن سے وہ مل چکے ہوں یا انہیں قریب سے جانتے ہوں اور کچھ نہ سوچھا تو ہم نے اپنے نیم جان ادبی کیریئر کو بچانے کے لئے ”خاکے“ لکھنے کی ٹھانی۔ لیکن جب لکھنے بیٹھے تو یہ جان کر شدید دھچکا لگا کہ ہم کسی بڑے آدمی کو جانتے ہی نہیں..... یا یوں کہہ لیں کہ کوئی بڑا آدمی ہمیں نہیں جانتا۔ خاکے لکھنے کی ہمیں بہت جلدی تھی اور ہم مشہور شخصیات کو کھوجنے اور اُن سے راہ و رسم پیدا کرنے میں وقت ضائع نہیں کر سکتے تھے لہذا سوچا کہ کیا ضروری ہے کہ بڑی بڑی ادبی شخصیات کے ہی خاکے لکھے جائیں۔ معاشرے میں اور بھی تو اہم

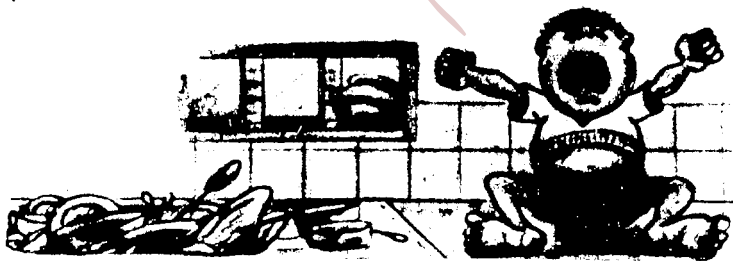
ماہنامہ بچوں کی کہانیاں کراچی — ۴۴

دھوبی۔ ہو سکتا ہے گدھا ”تو تلو“ ہو اور
 ڈھینچوں ڈھینچوں کے بجائے ”دو دو دو“
 کرتا ہو۔ بہر حال نام کے بارے میں
 محض اندازے ہی ہیں۔ اس ضمن میں
 کوئی تاریخی سراغ نہیں ملتا۔ دو تو بڑا
 مسکین سا آدمی ہے (بظاہر) مگر کسی
 کسی وقت اس میں ایک عجیب شان
 بے نیازی پیدا ہو جاتی ہے۔ خصوصاً اس
 وقت جب کپڑے پھاڑ کر لانے پر اس
 سے باز پرس کی جائے۔ (جو ہمیشہ ہوتی
 ہے) تو بڑی لاپرواہی سے کندھے
 جھٹک کر کہتا ہے۔ ”جی گدھے نے منہ
 مارا ہو گا۔“

ہر غلط کام کی ذمہ داری وہ
 گدھے کے سر ڈال دیتا ہے۔ حالاں
 کہ گدھا اتنا گدھا نہیں، جتنا وہ خود
 ہے۔ یہ رویہ اس لحاظ سے بھی غلط ہے
 کہ ہم نے دھوبی کو گدھا سمجھ کر معمولی
 اجرت پر رکھا ہے، گدھے کو نہیں! لہذا
 ہم براہ راست گدھے سے پوچھ تاچھ

کرنے کا استحقاق نہیں رکھتے، نہ تنخواہ
 کاٹنے کی دھمکی دے سکتے ہیں کیوں کہ
 وہ بے چارہ تو بنا تنخواہ کام کرنے والا
 در کر ہے (آخر کو گدھا جو ٹھہرا) اور نہ ہم
 ایسا غیر منصفانہ مزاج رکھتے ہیں کہ
 دھوبی پر بس نہ چلے تو گدھے کے کان
 مروڑ دیں۔ جب ہمارا دھوبی کپڑے
 پھاڑتے پھاڑتے بور ہو جاتا ہے تو
 انہیں پھاڑنے کی بجائے غائب کر دیتا
 اور ڈھٹائی سے، ڈھلائی کے پیسے، یہ
 کہہ کر وصول کرتا کہ وہ ڈھلنے کے بعد
 کھوئے تھے۔ الغرض ہم دونوں
 گدھوں کے ہاتھوں بہت نقصان اٹھا
 چکے تھے اور اٹھا رہے تھے کہ قدرت
 نے ان سے ہمارا خوب بدلہ لیا۔ ایک
 دن دھوبی صاحب روتے روتے آگئے
 کہ میرا گدھا چوری ہو گیا!“

ہم نے کہا۔ ”عجیب گدھے
 ہو اسے باندھ کر کیوں نہ رکھا، اکیلے
 کیوں چھوڑا؟ نظر رکھنی چاہئے تھی۔“



کر رہا ہوں۔ انوعاء برائے تاوان فند۔

”یا انوعاء برائے گدھاپن!“

”ہائیں!! گویا گدھا

تمہارا..... اور تاوان بھریں

ہم..... اور وہ بھی اس ناخجار

گدھے کا جو ساری زندگی ہمارے

کپڑوں پر منہ مارتا رہا۔ ہمیں تباہ و

بر باد کر دیا اور کہیں کپڑے دکھانے کے

قابل نہ چھوڑا اسے وہیں رہنے

دو..... ڈاکوؤں سے حسبِ مادت

منہ ماری کرے گا وہ اسے خود ہی چھوڑ

جائیں گے۔“

اگلے ہفتے وہ بڑی شان سے

اپنے بازیافت گدھے پر بیٹھ کر آیا۔

حفظ ماتقدم کے طور پر اس نے گدھا

گاڑی پر اپنی بیوی کو بٹھا رکھا تھا۔ گدھا

اس احتیاطی تدابیر سے خاصا ناخوش نظر

آ رہا تھا، مسلسل دولتیاں جھاڑ کر بیوی کو

گرانے کی کوشش کر رہا تھا۔

ہم نے پوچھا: ”اگر بیوی

ناہنامہ بچوں کی کہانیاں کراچی — ۴۷

منہ بنا کر بولا: ”آپ نے

جو برا بھلا کہا، مجھے ہی کہا..... اس

”چور“ کے خلاف ایک لفظ نہیں کہا جس

نے میرا گدھا بچا یا ہے۔“

ہم نے قدرے جھینپ کر

کہا۔ ”ہاں ہاں.....“ بتاؤ کہ چور

کہاں ہے.....؟ وہ واقعی بد ذات

ہے، چرانے کے لئے اسے گدھا ہی ملا

تھا، وہ بھی دھوبی کا..... جو نہ گھر کا

نہ گھاٹ کا۔“

تاسف سے سر ہلا کر بولا۔

”جی پتہ چلا ہے کہ ایک پورا گروہ، جو

دھوبیوں کے گدھے بچا کر پرانی سبزی

منڈی کے علاقے میں جمع کرتا رہتا ہے

اور پھر تاوان لے کر گدھا واپس کرتا

ہے۔“ ہم نے یہ بات پہلی بار سنی تھی

لہذا حیران ہوئے۔

کہنے لگا۔ ”حیران بعد میں

ہو لیجئے گا، پہلے کچھ رقم دیجئے۔ جتنے

گھروں میں کام کرتا ہوں سب سے جمع

کہنے لگا: ”جی یہ ہمارا پرسنل

معاملہ ہے!“

ہم نے کہا: ”اچھا!!! تو سن

لو..... اب اگر گدھا چوری ہوا تو

یہ بھی تمہارا پرسنل معاملہ ہوگا۔ ریجنل

نہیں سمجھے!! خبردار جو اغواء برائے

تاوان فنڈ وصول نے آئے۔“

وہ منہ بنا کر چلتا بنا.....

اور ہم کوئی ایسا دھوبی ڈھونڈنے لگے جو

سبزی منڈی کے اس بدذات گروہ کی

نظر میں نہ ہو۔

بوٹا (جمعدار):

یہ کوئی گل بوٹا نہیں.....

بلکہ ہمارا جمعدار بوٹا تھا۔ سرخ

آنکھیں، پیلے دانت، تیل میں بھیگی سیاہ

دراز زلفیں..... گویا بڑا ٹیکنی کلر

جمعدار تھا۔ اس کی دو عادتوں سے ہم

نخت عاجز تھے۔ ایک تو جب رقم کی

ضرورت ہوتی، جھٹ بیوی کو فوت کرا

سمیت گدھے کو کوئی لے گیا تو؟“

کہنے لگا۔ ”ایسا بھی کون

گدھا ہوگا؟“

ہم نے کہا: ”پھر بھی فرض کر

لو اگر لے گیا تو، پہلے کس کا تاوان

بھرو گے۔“

بولا: ”گدھے کا!“

ہم نے کہا: ”ہائیں!!

وہ کیوں؟“

کہنے لگا: ”بیوی سر پر

پکڑے نہیں لاد سکتی، بغیر فیول کے

گاڑی نہیں چلا سکتی اور سب سے بڑھ کر

گھاس کھا کر گزارہ نہیں کر سکتی۔“

ہمیں اس کی خود غرضیانہ

سوچ پر براغضہ آیا۔ اسے سمجھایا کہ

”دیکھو! بیوی زیادہ قیمتی چیز

ہے تمہیں چاہئے یہ تھا کہ اس کی

حفاظت کے لئے چند گدھوں کو مقرر

کرتے نہ کہ اس سے گدھے کی رکھوالی

کر رہے ہو۔“

راکھ نامہ بچوں کی کہانیاں کراچی — ۴۸

دیتا۔ یکے بعد دیگرے پانچ بیویوں کا کفن دفن وہ ہمارے کھاتے سے کرا چکا تھا۔ دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ جب ہوتا چائے کی فرمائش کر دیتا۔ چائے مانگتے ہوئے اس کا انداز بے تکلفانہ کچھ ایسا ہوتا جیسے کہہ رہا ہو کہ ”یہی تو ہے وہ اپنا پن!“

بیٹا دوہی گیا تو خط لکھوانے پر ٹل گیا گو لکھوانے کے لئے اس کے پاس کچھ نہ تھا، سوائے اس کے کہ ”بے بے پیو سلام کہتی ہے، بے بے حقیقاں سلام بولتی ہے، بے بے نذیراں سلام کہتی ہے“ ہم جل کر مختصر لکھ دیتے۔ ”بھٹلی پاڑے کی تمام“ بے بیاں، تمہیں سلام کہتی ہیں۔

بوٹا دراصل ہماری والدہ کی نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھاتا تھا۔ وہ کہتی ہیں کہ غریبوں مسکینوں کا کام کر دینا چاہیے۔ ان پر رحم کرنا چاہیے۔ ہم کہتے کہ ٹھیک ہے، مگر

وہ بھی تو ہم پر رحم کریں نا! ایک دن تو اس نے ہماری جان ہی نکال لی۔ ہوا یوں کہ ہم اور ہماری بہن گھر میں اکیلے تھے کہ اچانک گھنٹی بجی۔ دیکھا تو ”بوٹا“ کھڑا تھا۔

کہنے لگا۔ ”طبیعت خراب ہے۔۔۔۔۔ ایک پیالہ چائے

چاہیے!“ یہ کہہ کر اپنا مخصوص پیالہ ہماری طرف بڑھا دیا جو ایک دن ہمارے ہاں سے ہی چرا کر لے گیا تھا۔ بہر حال ہم نے کمال درگزر سے کام لیا اور چائے بنا کر دے دی۔ حالاں کہ دل تو چاہ رہا تھا کہ چائے میں نیلا تھو تھا ملا دیں تاکہ یہ چائے والا ”اپنا پن“ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ کافی دیر

بعد گیٹ بند کرنے کا خیال آیا۔۔۔۔۔ باہر نکلے تو دھک سے رہ گئے، اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا کیوں کہ بوٹا مرا پڑا تھا، ہاتھ میں چائے کا پیالہ اٹکا ہوا تھا جس میں تھوڑی سی

پڑے ”بھوت بھوت!!“ ہمارا دم
سُرک گیا کیونکہ دروازے پر بونا کھڑا
تھا..... لال آنکھیں، پیلے دانت
اور کالی زلفیں!! اور وہی مخصوص پیالہ
اس کے ہاتھ میں تھا۔ چیخ سن کر آنٹی
باہر نکل آئیں اور ہماری روداد سن کر
خوب بنیں..... پھر بولیں۔

”اُرے بے وقوفو! یہ بونا تو
نشہ کرتا ہے..... نشہ زیادہ چڑھ
جائے یا ٹوٹنے لگے تو یہ ایسے ہی
انٹاغفیل ہو جاتا ہے۔ یہ سن کر ہماری
جان میں جان آئی اور ہم نے اپنی
جھینپ منانے کے لئے اسے شرمندہ
کرنا چاہا۔ ”اچھا!!! تو بولے تم نشہ بھی
کرتے ہو!!“

دانت نکال کر بولا: ”جی
آپ کو اب پتہ چلا؟“

ہم نے شپٹا کر بات بدلی
”دیکھو! اس طرح کسی کے گھر جا کر
مرنا..... سخت نامعقول حرکت ہے
باقی صفحہ نمبر 85 پر

چائے تھی۔ وہ خود سیڑھیوں پر لڑھکا ہوا
تھا۔ گردن ڈھلک چکی تھی اور آنکھیں
چڑھی ہوئی تھیں۔ ہم جو کچھ دیر قبل
اسے نیلا تھو تھا دینے کا سوچ رہے
تھے۔ اس کی اکڑی ہوئی لاش دیکھ کر
صدمے سے گنگ ہو گئے۔ بہن باہر نکلی
تو پہلے ہمیں مشکوک نگاہوں سے یکھا
اور اس اُمید پر بونا بونا کہہ کر چیخنے لگی کہ
شاید بے ہوش ہو گیا ہو یا سو گیا ہو مگر وہ
اس چیخ و پکار سے بے نیاز ہو چکا تھا۔
بہن تاسف سے بولی۔

ہمیں کیا برا تھا مرنا، گریہ گھر
سے باہر ہوتا۔

ہم دونوں دَر کے مارے
پڑوس میں جا بیٹھے، کافی دیر اسی گولو
میں رہے کہ انہیں اس ”مشروبانہ قتل“
کے بارے میں آگاہ کریں یا نہیں؟ کہ
اچانک گھنٹی بجی۔ آنٹی نے کہا۔

”بینادیکھنا تو ذرا کون ہے؟“

ہم نے گیٹ کھولا تو چیخ

ماہنامہ بچوں کی کہانیاں کراچی — ۵۰

آنوکھا شکار

کوٹ غلام محمد (سندھ)

اکڑا کر بولی۔

دربار سجا ہوا تھا۔ سارے

درباری دم سادھے بیٹھے تھے۔ ملکہ
شارک سے ہر کسی کی جان جاتی تھی۔

یہی وجہ تھی کہ دوسرے اس کی عزت
اس کے خوف کی وجہ سے کرتے تھے۔

آخر ابھی تک کوئی تجویز

کیوں نہیں آئی؟“ ملکہ دھاڑی۔

”جج جان کی امان پاؤں تو

کچھ عرض کروں!“ کیکڑا مننایا۔

”ہوں!“ شارک غضب

ناک ہو کر بولی۔

”آ..... آپ نے ابھی

تک کوئی تجویز مانگی ہی نہیں!“

”ہم کیا کوئی فقیر ہیں کہ تم

لوگوں سے مانگیں..... اُس کے بغیر

ہی تجویز آ جانی چاہیے!“ ملکہ گردن

”بے چارہ نا سمجھ

ہے..... اسے بتا دیجئے کہ کس

سلسلہ میں تجویز چاہیے!“ آکٹوپس

نے بات کیکڑے پر ڈال کر دراصل

سارے درباریوں کا مدعا بیان کیا۔

”ہم سمندری مخلوق کھا کھا

کر بیزار ہو چکے ہیں۔ ہمیں اب آدمی کا

مزے دار خون چاہیے، جسے چکھے ہوئے

ہمیں پورا ایک سال ہو گیا ہے۔“

”بالکل بالکل.....

آپ تو ملکہ عالیہ ہیں، آپ کو تو روزانہ

ایک آدمی کھا جانا چاہیے۔“ کیکڑے

نے شارک کو خون لگایا کیونکہ مکھن اسے

بالکل پسند نہیں تھا۔

سب نے گھور کر خوشامدی

ماہنامہ بچوں کی کہانیاں کراچی — ۵۱



کیکڑے کو دیکھا کہ وہ اس سے
سب کے لئے ایک نئی سمجرت کٹری
ہو جاتی تھی۔

”میاں کیکڑے، اب یہ
تمہاری ذمہ داری ہے کہ ہمیں روزانہ
ایک تندرست انسان کھلاؤ۔“

”جج جناب، انسانیت تو بچی
ہی نہیں دُنیا میں۔ انسان کہاں سے
لاؤں گا روزانہ، اب کیکڑے کی جان
نکلی۔“

”ہم نہیں جانتے، اب یہ
ہماری ساری کابینہ کا کام ہے کہ
ہمارے لئے آدمی کا بندوبست
کریں۔“

”جناب عالی! آج کا آدمی
بہت عقل مند ہو گیا ہے، اسے پھنسانا
اتنا آسان نہیں رہا۔“ وہیل نے
مودبانہ انداز میں مسئلہ بتایا۔

”تو ہم کیا تم لوگوں کو اتنی
بھاری تنخواہیں اور مراعات فقط آسان

کے لئے دیتے ہیں، کیا تم
سب مل کر بھی ہماری اتنی سی خواہش
پوری نہیں کر سکتے کہ روزانہ ایک آدمی
شکار کر لاؤ۔“ ملکہ نے تحقیر اور افسوس
کے ساتھ کہا۔

”ملکہ عالیہ، آپ دل چھوٹا
نہ کریں، اب بھی دُنیا میں ایسے بے
وقوف انسان موجود ہیں جو سونے
چاندی اور ہیرے جواہرات کے لئے
دیوانے ہیں۔“

آکنو پس نے تسلی دیتے
ہوئے کہا۔

”یہ سونے چاندی ہیرے
جواہرات کیا ہوتے ہیں؟“ ملکہ نے
پوچھا۔

”وہی کچھ جو ہمارے پاس
ایک صندوق میں بھرا ہوا پڑا ہے۔“
”وہ بے وقعت دھاتیں اور
کنکر پتھر؟“ ملکہ حیرت سے زیادہ
حقارت سے بولی۔

”انسان اس کو بہت اہمیت دیتا ہے؟“ آکنولپس نے اپنی معلومات جھاڑی۔

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ کوئی جاندار اس کو اہمیت دے، نہ تو اس سے پیٹ بھرتا ہے نہ پیاس بجھتی ہے، آخر انسان اس کا کرتا کیا ہے؟“ ملکہ کی حیرانی بدستور تھی۔

”بس اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا ہے؟“ آکنولپس نظریں جھکا کر بولا، جیسے انسان کی اس حماقت میں خود بھی شامل ہو۔

”ہم مان ہی نہیں سکتے کہ انسان اس جیسی چالاک مخلوق اتنی احمق ہو سکتی ہے۔ ہمارے بڑوں نے ہمیشہ ہمیں یہی سبق دیا کہ انسان ہم سے بھی زیادہ ذہین ہے۔ اس کی باتوں میں نہ آنا۔“ ملکہ بولی۔

”ملکہ عالیہ یہ بھی تو سوچئے ناں کہ اگر یہ صندوق اتنا ہی غیر اہم

ہوتا تو انسانوں کے اس جہاز سے کیوں ملتا جو تباہ ہو گیا تھا۔ آخر وہ اسے لے کر کیوں گھوم رہے تھے۔“ ڈیمل نے دلیل دی۔

”ڈسٹ بن بھی تو ہوتے ہیں جہازوں میں، یہ ڈسٹ بن ہوگا ان کا جس میں سب کچرا جمع ہے۔“ شارک نے منہ بنایا۔

”بڑی آسان ترکیب ہے جس سے ریت کی ریت اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔“ کیگز اشاطر انہ انداز میں مسکرایا۔

”وہ کیا؟“ سب بیک زبان ہو کر بولے۔

”یہ لوگ اس صندوق کے ذریعے انسان کو لالچ دلا کر اسے شکار کر لیں، اس طرح یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ صندوق انسان کے لئے اہم ہے اور ملکہ عالیہ کو انسانی خون بھی پیش کر دیا جائے گا۔ کیگز نے

”ارے وہ دیکھو، خزانے

کا صندوق۔“

دوسرے انسان نے جیسے ہی

اسے دیکھا وہ بھی چیخ پڑا۔ ”لگتا ہے

آج تو قسمت ہی کھل گئی، جلدی سے

کشتی اس کے قریب کرو۔“

پھر انہوں نے کشتی صندوق

کے قریب کرنی شروع کر دی۔

”چلو، جلدی سے صندوق کو

ان سے دور کرو، فاصلہ گھٹنے نہ پائے!“

آکٹوپس نے سی ہاریز کو حکم دیا۔

سی ہارس ویسے تو بہت تیز

تیرا کرتے تھے لیکن صندوق کے وزن

کی وجہ سے ان کی رفتار کافی کم تھی۔

وہیل نے جب یہ دیکھا کہ

کشتی صندوق سے قریب ہی آتی جا

رہی ہے تو اس نے کہا۔

صندوق کو پانی کے اندر چھوڑ

دو تاکہ یہ سطح سے نیچے تہہ میں

چلا جائے۔

انسانی خون کہتے وقت ہونٹوں پر

زبان پھیری۔ کیونکہ بچا کھچا اس کو بھی

تو ملنا تھا۔

”بالکل ٹھیک! بس اس

ترکیب پر فوراً عمل کیا جائے۔“ ملکہ نے

حکم صادر کیا۔



صندوق کو سی ہاریز پر لا دیا

گیا اور سارا کاروان ایسے علاقے کی

طرف چلا جہاں سے انسانی جہاز اور

کشتیاں وغیرہ گزرنے کے امکانات

ہوتے تھے۔

کافی دیر کے بعد ایک کشتی

نظر آئی جس میں دو انسان سوار تھے۔

”تم لوگ صندوق اٹھا کر

پانی کی سطح پر لاؤ اور آہستہ آہستہ کشتی

سے قریب کرو، تاکہ انسان کو نظر آ

جائے۔“ آکٹوپس نے حکم دیا لیکن

اس سے پہلے ہی کشتی میں موجود ایک

انسان چیخا۔

”انسان اس کو بہت اہمیت دیتا ہے؟“ آکٹوپس نے اپنی معلومات جھاڑی۔

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ کوئی جاندار اس کو اہمیت دے، نہ تو اس سے پیٹ بھرتا ہے نہ پیاس بجھتی ہے، آخر انسان اس کا کرتا کیا ہے؟“ ملکہ کی حیرانی بدستور تھی۔

”بس اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا ہے؟“ آکٹوپس نظریں جھکا کر بولا، جیسے انسان کی اس حماقت میں خود بھی شامل ہو۔

”ہم مان ہی نہیں سکتے کہ انسان اس جیسی چالاک مخلوق اتنی احمق ہو سکتی ہے۔ ہمارے بڑوں نے ہمیشہ ہمیں یہی سبق دیا کہ انسان ہم سے بھی زیادہ ذہین ہے۔ اس کی باتوں میں نہ آنا۔“ ملکہ بولی۔

”ملکہ عالیہ یہ بھی تو سوچئے ناں کہ اگر یہ صندوق اتنا ہی غیر اہم

ہوتا تو انسانوں کے اس جہاز سے کیوں ملتا جو تباہ ہو گیا تھا۔ آخر وہ اسے لے کر کیوں گھوم رہے تھے۔“ وہیل نے دلیل دی۔

”ڈسٹ بن بھی تو ہوتے ہیں جہازوں میں، یہ ڈسٹ بن ہوگا ان کا جس میں سب کچرا جمع ہے۔“ شارک نے منہ بنایا۔

”بڑی آسان ترکیب ہے جس سے ریت کی ریت اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔“ کیکڑا شاطرانہ انداز میں مسکرایا۔

”وہ کیا؟“ سب بیک زبان ہو کر بولے۔

”یہ لوگ اس صندوق کے ذریعے انسان کو لالچ دلا کر اسے شکار کر لیں، اس طرح یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ صندوق انسان کے لئے اہم ہے اور ملکہ عالیہ کو انسانی خون بھی پیش کر دیا جائے گا۔ کیکڑے نے

”ارے وہ دیکھو، خزانے

کا صندوق۔“

دوسرے انسان نے جیسے ہی

اسے دیکھا وہ بھی چیخ پڑا۔ ”گلتا ہے

آج تو قسمت ہی کھل گئی، جلدی سے

کشتی اس کے قریب کرو۔“

پھر انہوں نے کشتی صندوق

کے قریب کرنی شروع کر دی۔

”چلو، جلدی سے صندوق کو

ان سے دور کرو، فاصلہ گھٹنے نہ پائے!“

آکٹوپس نے سی ہاریز کو حکم دیا۔

سی ہارس ویسے تو بہت تیز

تیرا کرتے تھے لیکن صندوق کے وزن

کی وجہ سے ان کی رفتار کافی کم تھی۔

وہیل نے جب یہ دیکھا کہ

کشتی صندوق سے قریب ہی آتی جا

رہی ہے تو اس نے کہا۔

صندوق کو پانی کے اندر چھوڑ

دو تاکہ یہ سطح سے نیچے تہہ میں

چلا جائے۔

انسانی خون کہتے وقت ہونٹوں پر

زبان پھیری۔ کیونکہ بچا کھچا اس کو بھی

تو ملنا تھا۔

”بالکل ٹھیک! بس اس

ترکیب پر فوراً عمل کیا جائے۔“ ملکہ نے

حکم صادر کیا۔



صندوق کو سی ہاریز پر لا دیا

گیا اور سارا کاروان ایسے علاقے کی

طرف چلا جہاں سے انسانی جہاز اور

کشتیاں وغیرہ گزرنے کے امکانات

ہوتے تھے۔

کافی دیر کے بعد ایک کشتی

نظر آئی جس میں دو انسان سوار تھے۔

”تم لوگ صندوق اٹھا کر

پانی کی سطح پر لاؤ اور آہستہ آہستہ کشتی

سے قریب کرو، تاکہ انسان کو نظر آ

جائے۔“ آکٹوپس نے حکم دیا لیکن

اس سے پہلے ہی کشتی میں موجود ایک

انسان چیخا۔

یہ تہہ آگ لگا۔ ادھر ایک

بڑا لنگر

مسکرائے لگا جیسے بہت بڑا کارنامہ
سرا انجام دے دیا ہو۔

”احق کیلڑے یہ کیا بے
وقوفی کی تم نے، ابھی وہیل اس صندوق
اور لنگر کو پکڑ کر ایک جھٹکا دیتی تو کشتی
اُٹ جاتی اور ملکہ عالیہ کو دو دو انسان
کھانے کے لئے مل جاتے۔“
آکٹوپس نے غصہ سے کہا۔

”مم..... وہ.....
بب.....“ کیلڑا گھگھکیا گیا۔

”ہم نے اپنی زنجیر کی
مرمت نہیں کرائی تھی ناں، دیکھو کیسے
اہم موقع پر وہ ٹوٹی ہے۔“ ایک انسان
نے افسوس کیا۔

”کوئی بات نہیں، میں پانی
میں کود رہا ہوں۔“ دوسرا بولا۔

”لیکن ہمارے پاس تو نہ
پیرا کی کالباس ہے اور نہ ہی آکسیجن
ماسک۔“ پہلا حیرانی سے بولا۔

”تو کیا ہوا، میں صرف کوگلز

”اُرے یہ تو ڈوب رہا ہے،
اس پر لنگر پھنسا دو۔“ دوسرے نے
جلدی سے ایک بھاری بھر کم لنگر اُچھالا
جو سیدھا جا کر صندوق میں پھنس گیا۔

”صندوق کو نیچے کھینچو، ورنہ
یہ اسے اپنی کشتی پر چڑھا لیس گے۔“
آکٹوپس چیخا تو سی ہارسین نے نیچے زور
لگانا شروع کر دیا۔

”لگتا ہے یہ صندوق بہت
وزنی ہے۔ دیکھو، پوری کشتی کھنچی جا رہی
ہے۔“ ایک انسان بولا۔

”ادھر سمندر گھوڑوں کے
لئے صندوق کو نیچے کھینچنا مشکل ہو
رہا تھا۔ انہوں نے دوسروں کو مدد
کے لئے پکارا۔

کیلڑا جلدی سے آگے
بڑھا اور جا کر لنگر کی زنجیر ہی کاٹ
ڈالی اور یہ کر کے فاتحانہ انداز میں

آنکھوں میں پہن کر جا رہا ہوں۔ اگر یہ واقعی خزانہ ہوا تو عمر بھر کے لئے جان چھوٹ جائے گی۔“ یہ کہہ کر اس نے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔

”صندوق کا ڈھکن کھول دیا جائے اور سب لوگ ادھر ادھر دُک جائیں۔ جیسے ہی یہ آدمی صندوق کے قریب آئے گا ملکہ عالیہ اس کو ہڑپ کر جائیں گی۔“ وہیل نے احکامات دیئے۔

ایسا ہی کیا گیا۔ یہاں تک کہ وہ انسان صندوق کے قریب پہنچ گیا۔ اتنا سارا خزانہ دیکھ کر تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، اس نے اپنے دونوں ہاتھ خزانے کی طرف بڑھائے کہ چھو کر یقین کرے، ملکہ شارک نے منہ کھولا اور انسان کی طرف جھپٹی۔

آکٹوپس اب بھی ایک آنجانا خوف محسوس کر رہا تھا کہ اسے

معلوم تھا کہ انسان ذہین بہت زیادہ ہے جبکہ کیکڑے کے چہرے پر ایک مکارانہ مسکراہٹ تھی کہ اسے آج انسانی تکہ بوٹی کے خوابِ نظر آ رہے تھے۔ اگلے ہی لمحہ ملکہ شارک انسان کو چبا چکی ہوتی کہ ایک خیال کے تحت رُک گئی۔ آدمی بے چارہ چونک کر مڑا اور پھر خوف کے مارے تھر تھر کانپنے لگا۔

”ہم نے تم سے ایک سوال پوچھنے کے لئے چند چند لمحوں کی مہلت دی ہے۔“ ملکہ بولی۔

”سُک کیا؟“ آدمی ہکھلایا۔
 ”کیا یہ صندوق تم انسانوں کے لئے واقعی قیمتی ہے؟“ ملکہ نے اپنا سُک دور کرنا چاہا۔

”جی ہاں..... بہت زیادہ۔“ آدمی بولا۔

”آخر تم لوگ اس کا کرتے کیا ہو۔ ہمارے پاس تو یہ برسوں سے

ماہنامہ بچوں کی کہانیاں کراچی۔۔۔ ۵۷

پڑا ہے، کسی کام نہیں آیا۔“ ملکہ تجسس سے بولی۔

”ہم غریب تو کچھ نہیں کرتے، ہاں امیروں کو بیچ دیتے ہیں۔“ آدمی بولا۔

”امیر کیا کرتے ہیں؟“

”وہ.....“ وہ سوچ میں

پڑ گیا۔

”وہ اس کے زیورات بنا کر پہنتے ہیں۔“

”اس سے کیا انہیں گرمی نہیں لگتی، یا سردی نہیں لگتی یا وہ بارش اور برف باری سے بچ جاتے ہیں؟“

”اس میں سے تو کچھ نہیں ہوتا، بس وہ خوب صورت لگتے ہیں۔“

”اس کے بغیر کیا وہ خوب صورت نہیں لگتے۔“ ملکہ حیرانی سے بولی۔

”میرا مطلب ہے اسے پہن کر وہ زیادہ خوبصورت لگتے ہیں۔“

”افسوس کہ زیادہ خوب صورت لگنے کے چکر میں تم تو گئے کام سے اور ایسے احمقانہ شوق کا انجام ہونا بھی یہی چاہئے۔“

ملکہ یہ کہہ کر آگے بڑھی کہ اسے ہڑپ کر جائے۔ وہ آدمی چلایا۔

”رکو..... کیا کر رہی ہو۔ مجھے کھانے سے تمہارا پیٹ نہیں بھرے گا۔ میں تمہیں ایک ایسی ترکیب بتاتا ہوں جس سے تمہیں سینکڑوں آدمی کھانے کو مل جائیں گے۔“

”پہلے ترکیب بتاؤ.....“ اگر کام کی ہوئی تو ہی تمہاری جان بخشی ہوگی۔“ ملکہ بولی۔

”یہ خزانہ کسی جزیرے پر رکھوا دو۔ تاکہ پانی کا بڑا والا جہاز آتے جاتے اسے دیکھے اور اسے حاصل کرنے کے لئے آئے تو تم اس کے لوگ ہڑپ کر جاؤ۔“

گا تو دُھواں ان کو متوجہ کر لے گا۔“
آدمی نے پوری پلاننگ بتائی۔

”لیکن اتنے سارے آدمی
ہم ایک ہی ساتھ کیسے کھائیں گے، وہ تو
سُونے لگیں گے۔“ ملکہ نے فرض کر لیا
کہ وہ جہاز اُلٹ چکی ہے۔

”آپ ان سب کو ڈیپ
فریزر میں رکھ دیجئے گا اور ہر روز ایک
نکال کر ڈی فراسٹ کر کے کھالیجے گا۔“
تصور ہی تصور میں ملکہ کے
منہ میں خون بھر آیا۔ وہ خوش ہو کر
بولی۔ ”فورا اس آدمی اور صندوق کو کسی
جزیرے پر چھوڑ آؤ۔“

”ملکہ عالیہ ایک مرتبہ سوچ
لیجئے۔ یہ آدمی بھی ہاتھ سے نہ جائے۔“
وہیل نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

”بھلا میں کیسے ہاتھ سے
جاؤں گا۔ جزیرے کے چاروں طرف
سمندر اور سمندر پر آپ کا راج، میں نکلا
تب بھی پکڑا جاؤں گا، کوئی اور مدد کو آیا

ملکہ نے تالی بجائی تو
آکٹوپس، وہیل اور کیکڑا وغیرہ حاضر
ہو گئے۔

آکٹوپس بولا۔ ”بے وقوف
کسی اور کو بنانا، ہمیں معلوم ہے کہ
آج کل کے جہاز نئی ٹیکنالوجی والے
ہیں، انہیں اتنی آسانی سے نہیں اُلٹایا
جاسکتا۔“

”انہیں گہرے پانی میں نہیں
اُلٹا جاسکتا، لیکن جب وہ جزیرے کے
قریب کم پانی میں ہوں تو ان کی رفتار
بھی کم ہوتی ہے اور طاقت بھی۔ بس
ایسے میں وہ آپ کے شکار ہو جائیں
گے۔“ آدمی ادب سے بولا۔

”لیکن وہ تو بہت دُور سے
گزرے ہیں، انہیں خزانہ نظر کیسے
آئے گا؟“ وہیل نے پوچھا۔

”میں خزانے کو سارے
جزیرے پر پھیلا دوں گا تو وہ چمکنے لگے
گا۔ پھر میں جزیرے پر کوئی چیز جلاؤں

تو آپ کا شکار۔“

ایک ہی فار میں اسے مار ڈالا۔ پھر
بہتے ہوئے بولا۔

”ٹھیک ہے، بس اب
ہمارے حکم کی تعمیل کی جائے۔ حکم کی تعمیل
کی گئی، آدمی خزانہ لے کر جزیرے کے
بچوں بچ پہنچ گیا۔

”واہ واہ..... خزانے کا
خزانہ اور شکار کا شکار۔ اب گھر جا کر
اس کا سوپ پیئیں گے۔“ ہیلی کا پٹر
اڑتے وقت دوسرا بولا۔

دباں جا کر اس نے اپنا
موبائل نکالا۔ اس کے پاس ایسی
سروس تھی جس کے سگنل ہر جگہ آ جاتے
تھے۔ اس نے تمام صورت حال اپنے
کسی دوست کو بتائی، وہ کچھ ہی دیر میں
ایک ہیلی کا پٹر لے کر آ گیا۔

”جی شارک، تمہیں یہ تو بتا
دیا کہ چاروں طرف سمندر ہے۔ لیکن
یہ نہیں بتایا کہ اوپر کھلی ہوا ہے اور اس پر
تمہارا راج نہیں ہے۔“

انسانی عقل کا یہ کرشمہ دیکھ
کر تو سمندری مخلوق کے منہ کھلے کے
کھلے رہ گئے۔

جبکہ ملکہ شارک کے ذہن
میں اپنے بڑوں کے یہ الفاظ گونج رہے
تھے کہ

”انسان ہم سے بھی زیادہ
ذہین ہے، اس کی باتوں میں کبھی
نہ آتا۔“

”میاں کیگزے، ایک تم ہی
ہو جو خشکی پر جا سکتے ہو۔ جاؤ اور جا کر
کچھ کرو۔“ شارک دانت کچکا کر بولی
تو کیگزے کو چارونا چار جانا ہی پڑا۔

ایک آدمی نے جب اسے
دیکھا تو اپنی شکار کی بندوق نکالی اور

ماہنامہ بچوں کی کہانیاں کراچی — ۶۰

(ختم شد)

شہزادہ گل منیر

کوٹ غلام محمد (سندھ)

ندا بھر گڑی

سے حساب لگا کر بادشاہ کو بتایا کہ شہزادے کا نصیب تو بہت اچھا ہے، لیکن نو برس کی عمر سے اسے مشکلات کا سامنا ہوگا اور ریشے داروں سے جدائی ہوگی۔ آخر جوانی میں ان تکالیف سے نجات پائے گا اور ایک بڑی سلطنت کا بادشاہ بنے گا۔ بادشاہ نے یہ باتیں سن کر نجومیوں کو انعام و اکرام سے نواز کر روانہ کر دیا۔

شہزادے کا نام گل منیر رکھا گیا۔ اس کی پرورش کے لئے خاص کینز مقرر کی گئیں، جنہوں نے اسے بڑے لاڈ پیار سے پالا۔ جب اس کی عمر چھ برس ہوئی تو اسے قابل استادوں کے سپرد کیا گیا۔ شہزادے نے جلد ہی اپنی صلاحیت کے جوہر

ایک تھا رحم دل بادشاہ۔ اس کی حکومت میں شیر اور بکری ایک ہی گھاٹ پر پانی پیا کرتے تھے۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ اس کے پاس اللہ کا ویسا ب کچھ تھا، لہذا ہر وقت اللہ کا شکر ادا کرتا رہتا۔ اللہ کی مہربانی سے ان کے گھر تیسرے بیٹے کی ولادت ہوئی۔ یہ بیٹا دونوں بیٹوں سے زیادہ خوب صورت تھا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور اُس نے شاہی خزانے سے رعایا کو خوب نوازا۔ اس حد تک نوازا کہ ملک کے سب غریب لوگ امیر ہو گئے۔ چالیس دنوں تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد بادشاہ نے شہزادے کی قسمت کا حال جاننے کے لئے شاہی نجومیوں کو بلوایا۔ نجومیوں نے علم نجوم

دکھانا شروع کر دیئے۔ شہزادہ نوربرس کی عمر کو پہنچا ہی تھا کہ بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت تینوں شہزادے چھوٹے ہی تھے، لہذا وزیر اعظم کے دل میں بے ایمانی پیدا ہو گئی اور اس نے حکومت پر قبضہ کر کے تینوں شہزادوں کو ملک سے نکال دیا۔

مجھے شہزادے نے کہا: ”میں نے بھی خواب دیکھا ہے کہ اللہ نے مجھے مچھلی اور روٹی کھانے کو دی ہے۔“

چھوٹا شہزادہ گل منیر خاموش رہا۔ اس پر دونوں بھائیوں نے اس سے پوچھا: ”بھائی! تم بھی بتاؤ کہ تم نے خواب میں کیا دیکھا؟“

اس پر گل منیر نے کہا: ”جو میں نے خواب میں دیکھا ہے، اگر میں تمہیں بتاؤں تو تم لوگ ناراض ہو جاؤ گے، لہذا اس بات کو یہیں ختم کر دو۔“ اس پر دونوں شہزادوں نے کہا: ”ہم تمہارے دشمن نہیں ہیں، جو تم نے دیکھا ہے وہ ہمیں بھی بتاؤ۔“

ان کے زور دینے پر گل منیر نے کہا: ”بھائیو! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ اللہ مجھ پر بڑا مہربان ہوا ہے۔ مجھے بادشاہت ملی ہے۔ چار رانیوں سے میں نے شادی کی ہے۔“

تینوں شہزادے وزیر اعظم کے در سے شہر چھوڑ کر فقیرانہ لباس میں وہاں سے روانہ ہوئے۔ چلتے چلتے آخر تھک گئے اور ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ بے چارے شہزادوں نے کبھی تسخیں نہیں اٹھائی تھیں۔ وہ باتیں کرتے کرتے درخت کے سائے تلے سو گئے۔ جب نیند سے بیدار ہوئے تو بڑے شہزادے نے چھوٹوں سے کہا: ”بھائیو! میں نے خواب دیکھا ہے کہ مجھے دودھ کا کٹورا اور روٹی ملی ہے، جسے میں نے کھا کر اپنا پیٹ بھرا۔“

پالنے میں بیٹھا ہوں۔ دور انیاں دائیں
اور دو بائیں بیٹھی ہیں اور وہ باری باری
پالنے کو جھولا دے رہی ہیں۔ اس کے
ساتھ ہی وہ مجھے میوے بھی کھلاتی جا
رہی ہیں۔“

بڑے بھائی نے گل منیر کی
باتیں سن کر دو تھپڑ اس کے منہ پر
مارے اور کہا: ”اگر تو اتنا خوش نصیب
ہوتا تو ابا جان کی بادشاہت ہم یوں
نہ گناتے۔“

گل منیر کو بڑا دکھ ہوا اور وہ
رونے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے
دونوں بھائی اُٹھ کر چلنے لگے اور اسے
بھی چلنے کے لئے کہا، لیکن اس نے
جانے سے انکار کر دیا تو وہ لوگ اسے
چھوڑ کر آگے روانہ ہو گئے۔

بھائیوں کے چلے جانے کے
بعد گل منیر اُٹھ کر ایک طرف روانہ ہو
گیا۔ چلتے چلتے شام ہو گئی، سورج
ڈھل گیا، لہذا وہ ایک درخت کے نیچے

رات بسر کرنے کے لئے سو گیا۔ اس
درخت پر ایک آدم خور دیور ہوتا تھا۔
اس نے جب دیکھا کہ ایک آدم زاد
درخت کے نیچے سو رہا ہے تو اس کے
منہ میں پانی بھر آیا۔ وہ اسے کھانے

کے خیال سے درخت سے اُترا، لیکن
اس کی نظر گل منیر پر پڑی تو اس کی خوب
صورتی اور جوانی دیکھ کر اسے رحم آ گیا
اور وہ اسے اُٹھا کر شہر سے تھوڑے
فاصلے پر چھوڑ کر چلا گیا۔ گل منیر جب
غیند سے بیدار ہوا تو بڑا حیران ہوا اور وہ
اسے قدرت کا کرشمہ سمجھا۔ وہ اُٹھ کر
شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

شہزادے کو جب بہت
بھوک لگی تو وہ ایک مسجد میں جا کر بیٹھ
گیا۔ نمازی اسے مسافر سمجھ کر کھانا
دے گئے۔ وہ کھانا کھا کر آرام کرنے
لگا۔ مسجد کے پیش امام نے گل منیر سے
اس کے حالات پوچھے۔ امام صاحب
کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ شہزادہ ہے تو
ماہنامہ بچوں کی کہانیاں کراچی — ۶۳

نجومیوں نے بتایا کہ شہزادی پر کسی نے جادو کرایا ہوا ہے، تاکہ اس کی اولاد نہ ہو۔ اس کا توڑ یہ ہے کہ نیا بادشاہ مزید تین شادیاں کرے۔ گل منیر نے شہزادی کی رضا مندی سے تین اور شادیاں کر لیں۔ پھر شہزادی کو اللہ نے

بڑے حیران ہوئے۔ ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ انہوں نے گل منیر کو اپنا بیٹا بنا کر گھر میں رکھ لیا۔ گل منیر نے بھی یہ سوچا کہ کہاں دھکے کھاؤں گا، اس لئے وہ پیش امام کی بات مان کر ان کے ساتھ رہنے لگا۔

ایک خوب صورت بیٹے سے نوازا۔ ادھر اس کے بھائی بھٹکتے ہوئے گل منیر سے آن ملے۔ گل منیر نے انہیں عزت و اکرام سے نوازا اور اس کے بعد وہ اپنے بھائیوں کو ساتھ لے کر اپنے آبائی وطن پہنچا اور والد کے وزیر کو شکست دے کر اپنے ملک پر حکومت کرنے لگا۔

(ختم شد)



امام صاحب کے مدرسے میں ایک شہزادی اور ایک وزیر زادی بھی پڑھنے آتی تھی۔ گل منیر کی قابلیت اور خوب صورتی دیکھ کر وہ اس سے متاثر ہو گئیں اور شہزادہ گل منیر کی ان دونوں سے دوستی ہو گئی۔ پھر جب شہزادی کو پتہ چلا کہ گل منیر شہزادہ ہے تو اس نے بادشاہ کو مجبور کر کے گل منیر سے شادی کر لی۔ شادی کے کچھ عرصے بعد بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔ اس بادشاہ کا کوئی بیٹا نہیں تھا۔ وزیر اعظم نے شہزادی سے مشورہ کرنے کے بعد شہزادے کو بادشاہ بنادیا۔

کچھ عرصہ اور گزرا تو

محنت بڑی چیز ہے

صبح عید کا دن تھا اور فاطمہ کو سے نکل گیا۔

کام دینا تھا۔ اسے بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔ کاش! وہ عید پر ملنے آ جائے۔ وہ اپنی سوچوں میں گم تھی کہ جاوید نے ماں کے پاس آ کر کہا۔

ماں نے پھر ایک ٹھنڈی سانس لی۔ اب پھر سے اس کے ہاتھ کھڑی پر تیزی سے چل رہے تھے۔ تھان آدھے سے زیادہ ہو گیا تھا۔ اس نے تھکان کو غور

”ماں! کیا سوچے جا رہی ہے دیکھا۔ لائین کی تپتی اونچی کردی اور پھر کام کرنے لگی۔ صبح کا اُجالا اب پھیلنے لگا ہے؟“ جاوید بولا۔

”میں چلتا ہوں۔ چار بجے تھا۔ کام پورا نہ ہو سکا تو اس نے ادھر اسی اخبار بریس سے آجاتا ہے پھر دو گھنٹے چھوڑ دیا۔“

ایجنٹ صاحب سے سر کھپانا پڑتا ہے۔ تب
 آپ فاطمہ کو گھر کی صفائی کرنا
 کہیں چھوڑا رہتا ہے۔“
 تھی۔ نہانا دھونا تھا اور جاوید کے لیے پانی

’ارے آج ایجنٹ کی مت سننا گرم کرنا تھا۔ اتنے سارے کام تھے۔ اگر عید کا دن نہ ہوتا تو چائے بنانے سے پہلے سمجھا۔‘ فاطمہ اسے دیکھ کر بولی۔

”ماں سنو“..... نہ سنوں تک کام کر کے تھان کو پورا کر دیتی۔

اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ کام تو کام کی
 اس نے جھاڑو دی اور برتن
 سمیٹ کر دھو ڈالے۔ تکیہ، غلاف اور
 جاوید دروازے سے ہی ہوتا ہے۔



چادر میں دھو کر غسل کر لیا۔ اب صبح کے
 آٹھ بج گئے تھے۔ جاوید اب تک نہیں آیا
 تھا۔ اتنے میں دروازے پر جان محمد کی
 آواز سنائی دی۔

”اندر آ جاؤ بھیتا۔“ فاطمہ نے
 کہا۔

ناٹ کا پردہ اٹھا کر جان محمد
 اندر آ گیا۔ اپنی اداس بہن کو دیکھ
 کر بولا۔

”وہ لاہور سے میرا دوست آیا
 تھا۔ کہہ رہا تھا ساجد اب تو گل برگ میں
 رہتا ہے۔ کسی بڑے سیٹھ کا ملازم ہو گیا
 ہے۔ اسی لیے توفیشن اہل علاقے میں
 رہتا ہے۔“

آتا ہوں۔ جب ساجد کی ماں زندہ تھی
 اس وقت سے یہ ہی معمول ہے اور کسی
 دن آؤں یا نہ آؤں لیکن عید کے دن
 نماز سے پہلے ایک چکر ضرور لگاتا ہوں۔“

”ہاں بھیتا۔ یہ تو ٹھیک ہے۔“
 فاطمہ نے تائید کی۔

”بہن یہ جاوید میاں کہاں ہیں۔ عید کے دن بھی کہیں غائب ہے۔“
 جان محمد نے پوچھا۔
 پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ساجد اور حمید
 خان کی یاد میں۔ جان محمد نے اس کے سر
 پر ہاتھ پھیر کر پیار سے کہا۔

”غریب کی کیا عید.....؟“
 فاطمہ پھر رو ہانسی ہو گئی۔
 کرتی ہے۔ مجھے بتا اگر کچھ ضرورت
 ہو تو۔“

”نا بھیتا نا.....“ وہ جلدی
 سے بولی۔ ”ایسی کوئی بات نہیں، اللہ کا دیا
 سب کچھ ہے۔ یہ دیکھو ریڈیو پچھلے مہینے لایا
 ہے۔ پورے پانچ سو روپے کا۔“

”بڑی بد معاش ہیں یہ لوگ
 روز مہنگا کرتے چلے جا رہے ہیں۔“
 جان محمد کی بات کا فاطمہ کیا
 جواب دیتی۔ وہ خاموش ہی رہی۔ اس
 وقت جان محمد نے جیب سے کچھ
 روپے نکالے۔

”یہ لے لو بہن، پچاس
 روپے تیری عیدی ہے اور یہ دس روپے
 جاوید کے۔“

فاطمہ نے نوٹ لے لیے مگر

نے پردہ بٹایا وہ خوش ہو گئی شاید بیٹا آ گیا۔ مگر وہ تو زہرہ تھی۔ پڑوس میں رہنے والے قاضی صاحب کی بیٹی۔

اپنے گھر آنے کی وجہ پوچھی تو زہرہ مسکراتی ہوئی اُن کے پاس آ گئی۔ اُن کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

”آؤ بیٹی اس وقت کیسے آ گئیں۔“ فاطمہ نے کہا۔

”خالہ جان! بابا تو عید گاہ روانہ ہو گئے اور تم جانتی ہو کہ امی مجھے

”جاوید نہیں ہیں۔“ وہ چاروں طرف دیکھنے لگی۔ ”آج بھی غائب ہیں جناب۔“

آپ سے ملنے کو کبھی منع نہیں کرتیں۔“ ”ہاں یہ تو معلوم ہے واقعی شاہدہ بہن بہت نیک ہیں۔ بہت محبت کرتی ہیں۔“ فاطمہ بولی۔

زہرہ اور جاوید دونوں ہم عمر تھے اور ساتھ کھیلے تھے۔ لیکن اب زہرہ کا اس کے باپ نے پردہ کروا دیا تھا۔ اور وہ اپنے سے کتر لوگوں سے ملنے سے بہت گھبراتے تھے۔ قاضی صاحب اپنے ہی جیسے لوگوں سے ملنے کے قائل تھے۔ اسی انہوں نے زہرہ پر جاوید سے ملنے اور اس کے گھر آنے جانے پر پابندی لگا دی تھی۔

”خالہ جان! ایک بات پوچھوں؟“ فاطمہ کی طرف دیکھ کر زہرہ نے کہا۔ ”پوچھو بیٹی؟ اس طرح کیوں پوچھ رہی ہو۔ پوچھو کیا پوچھنا چاہتی ہو؟“ فاطمہ نے اس سے کہا۔ ”تم جاوید کو پڑھاتی کیوں نہیں۔ سچ اس کا ذہن بہت اچھا ہے۔ اب میں چوتھی جماعت میں آ گئی ہوں اگر وہ میرے ساتھ پڑھا کرتا تو اب تک مجھ سے آگے نکل جاتا۔“

”تمہارے آبا تو گھر پر ہی ہوں گے۔ تمہارے یہاں آنے سے قاضی صاحب خوش نہ ہوں گے بیٹی۔“ فاطمہ نے

اب میں چوتھی جماعت میں آ گئی ہوں اگر وہ میرے ساتھ پڑھا کرتا تو اب تک مجھ سے آگے نکل جاتا۔“

فاطمہ کے خاندان میں چند ہی لوگ پڑھے لکھے تھے اور وہ بھی زیادہ تر نہیں۔ اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔

قرآن پاک یا مذہبی کتابیں۔ اس لیے فاطمہ کو تعلیم کا شوق نہیں تھا۔ مگر جب زہرہ نے کہا تو اُسے خیال آیا کہ لڑکی ٹھیک کہہ رہی ہے اور اُس نے دل میں عہد کر لیا کہ آج تو جاوید سے اس کا ذکر ضرور کروں گی۔“

”ایک کو اپنا سمجھا۔ اس نے سو تیلی ماں سمجھ کر ٹھکرا دیا اور چلا گیا۔ ایک تم ہو کہ اتنا کہا جلدی آ جانا نماز کی تیاری کرنی ہے۔ مگر اب آرہے ہو۔“

”اچھا بس اتنی سی بات۔“

جاوید اپنی ماں کے سینے سے لگ گیا۔ بس چکے تھے۔

دس بجے کے قریب جب جاوید گھر میں داخل ہوا تو بہت خوش نظر آ رہا تھا۔

”اب ماں جاؤ امتاں جی۔“

اس کے گدگدانے سے فاطمہ کو ہنسی آ گئی۔

”اے ماں لے، یہ پیسے سنجال۔“ اس نے ریزگاری کی پوٹلی ماں کے سامنے ڈال دی۔

”لاؤ جلدی سے میرے کپڑے نکالو۔ میں نہا کر ابھی آتا ہوں۔ نل پر سے۔“ وہ بولا۔

”سُردی ہے بیٹا نل پر کیسے فاطمہ نے پیسوں کو چھوا بھی

نہائے گا۔ میں نے تیرے لیے پانی گرم کر

دیا ہے۔ کپڑے بھی تیار ہیں۔ مگر سن تو۔“

جاوید نہانے کو جاتے جاتے
رُک گیا۔ ماں کہنے لگی۔

”اب تجھے کہاں سے نماز مل
جائے گی۔ سب مسجدوں میں شاید نماز ہو
چکی ہوگی۔“

”ایک دو مسجدیں ایسی بھی ہیں

جہاں سب سے آخر میں نماز ہوتی ہے۔“
وہ کہنے لگا۔

”دیکھ تو اس وقت کیا بجا
ہے؟“ فاطمہ نے کہا۔

”میری گھڑی میں۔“ وہ گھڑی
دیکھ کر بولا۔ ”دس بج کر دس منٹ ہو رہے

ہیں اور ایک مسجد میں ٹھیک گیارہ بجے
جماعت کھڑی ہوتی ہے۔“

”اچھا کمال ہے۔“ ماں کو
حیرت و خوشی ہوئی۔

جاوید نہا دھو کر اور لباس پہن
کر تیار ہو گیا اور پھر وہ ماں کو سلام کر کے

تیزی سے نکل گیا۔

کوئی گھنٹہ بھر بعد جب وہ گھر

میں داخل ہوا تو کئی تھیلیاں اُس کے ہاتھ
میں تھیں۔ مٹھائی اور نمکو لے کر آیا تھا۔

آتے ہی ماں کے کلیجے سے لگ گیا۔ ماں
نے جی بھر کر دُعائیں دیں اور ماتھا چوما
اور جب وہ دونوں گھاپاں رہے تھے کہ زہرہ

پھر سے آگئی۔

جاوید نے زہرہ کو سلام کیا اور
عید کی مبارک باد دی۔ فاطمہ نے دو روپے

زہرہ کے ہاتھ پر رکھ کر اس کی پیشانی
چومی۔ زہرہ بہت خوش تھی آج اس نے

اچھے کپڑے پہنے تھے۔ وہ جاوید کو بہت
انجھی لگی تھی۔

”ہمارے گھر آؤ گے نا جاوید
میاں۔“ وہ جاتے جاتے پلٹ کر بولی۔

”مگر تمہارے ابا جو ہوں
گے۔“ فاطمہ نے بچ میں کہا۔

”اُرے میں ان سے نہیں
ڈرتا۔“ وہ بولا۔ ”میں ضرور آؤں گا۔“

زہرہ رو ر آؤں گا خالہ کے پاس۔“

گھر پہنچا تو قاضی صاحب مردانے میں اپنے دوستوں سے خوش گیلیاں کر رہے تھے۔ اس نے اندر داخل ہونے سے پہلے قاضی صاحب کو سلام کیا۔ اور عید مبارک کہتا ہوا چلا گیا۔ زنان خانے کا راستہ اسی کمرے میں سے تھا۔ جہاں قاضی صاحب دوستوں سے گپ شپ کر رہے تھے۔

اس وقت قاضی صاحب کی بیوی سونیوں کی پیالیاں تیار کر رہی تھیں۔ یہ مردانے میں بھیجے تھے۔ زہرہ برآمدے میں ایک گلو یا کو کپڑے پہنا رہی تھی۔

جاوید نے بڑے ادب سے قاضی صاحب کی بیگم کو سلام کیا اور عید کی مبارک باد پیش کی۔ وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور زہرہ کو پکارنے لگیں۔

”زہرہ ذرا جاوید کے لیے پیالہ بنا کر لے آؤ۔“

اور زہرہ جلدی سے ماں کے پاس پہنچ گئی۔ جاوید ایک چار پائی پر بیٹھ گیا تھا۔ قاضی صاحب کوئی مال دار آدمی نہیں

جاوید بہت دلیر تھا۔ کسی سے ڈرنا تو جانتا ہی نہ تھا۔ اگر کوئی کچھ سمجھ کر اسے ٹھکنا چاہے تو فوراً ڈٹ جاتا اور اس کی بہادری دیکھ کر بڑے بڑوں کو پسینہ آ جاتا تھا۔ فاطمہ نہیں چاہتی تھی کہ جاوید قاضی صاحب کے گھر جائے۔ وہ جانتی تھی کہ قاضی صاحب انہیں کم تر سمجھتے ہیں اور میل جول کے قائل نہیں ہیں۔ جب وہ نہیں چاہتے تو کسی کو کیا ضرورت ہے کہ زبردستی اُن میں گھسے۔“

جاوید تھوڑا سا ضدی بھی ہو گیا تھا۔ ماں کے منع کرنے پر اس نے ماں کو سمجھانے کی کوشش کی اور بتایا کہ آج عید کا دن ہے اور عید کے دن کوئی چھوٹا بڑا نہیں ہوتا۔ سب برابر اور سب بھائی بھائی ہوتے ہیں۔ جاوید کو یقین تھا کہ قاضی صاحب کی بیگم زہرہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوں گھا۔

جب جاوید قاضی صاحب کے

تھے۔ مگر کچھ پڑھے لکھے ضرور تھے اور
بڑے تیز طرار آدمی تھے۔ بلکی مھلکی ٹھیکے
داری کیا کرتے تھے۔ ان کا مکان جاوید
کے مکان سے تھوڑا ہی بڑا تھا۔ مگر ذات کی
برتری سے وہ بہت زیادہ مغرور ہو
گئے تھے۔

جاوید کو قاضی صاحب کی
اسی بات سے چوتھی۔

زہرہ نے پیالہ لا کر اس کے
سامنے رکھا اور پانی لینے چلی گئی۔ اس نے
واپس آ کر جاوید سے شروع کرنے کے
لیے کہا۔ تو وہ دھیرے دھیرے سونیاں
کھانے لگا۔ زہرہ بھی اس کے ساتھ
چار پائی پر بیٹھ گئی تھی۔

”جاوید تم مجھ سے کہہ رہے تھے
کہ پڑھا کرو گے، اس کا کیا ہوا؟“
اچانک زہرہ نے سوال کیا۔

”میں نے شروع بھی کر دیا
ہے۔ مگر ماں کو نہیں معلوم۔“

”کیوں مچھپانے کی کیا

ضرورت تھی؟“ زہرہ نے اعتراض کیا۔
”بات یہ ہے زہرہ۔“ وہ پیار
سے بولا۔

”اماں کو تعلیم سے کوئی واسطہ
نہیں ہے۔ پھر ان سے کیا کہنا۔

”ایسی بات نہیں ہے۔“ وہ
بولی۔ ”جب میں نے کہا تھا تو خالہ جان
خوش ہوئی تھیں۔

”میں نے دو جماعتیں پڑھ لی
ہیں۔ زہرہ اب میں بہت جلد تمہارے
برابر آ جاؤں گا۔“

”ویسے تو تم اب بھی مجھ سے
زیادہ ہو۔“ وہ ہنسی۔ ”اگر اسکول میں
آگے بڑھ کر دکھاؤ گے تو جانیں گے۔“

”کیا جانیں گے۔ کچھ انعام
ونعام بھی ملے گا۔“ وہ کہنے لگا۔

”انعام۔“ وہ سوچ کر بولی۔
”ہاں انعام بھی دیا جاسکتا ہے۔“

”کیا دوگی؟“ وہ پوچھنے لگا۔

”جو تم کہو گے۔“ زہرہ نے

کہا۔ اسی وقت قاضی صاحب اندر آ کر بیوی سے بات کرنے لگے۔ ان کی آواز سے بولا۔

جاوید اور زہرہ بھی سُن رہے تھے۔ وہ ناراض ہو کر کہہ رہے تھے۔

”ہزار بار کہا ہے تمہیں کہ اس بیچ کینے کو مت بلایا کرو مگر تم سنتی ہی نہیں ہو۔“

”خدا سے ڈرو بڑا بول نہیں بولا کرتے۔“ قاضی صاحب کی بیگم بولیں۔

”کون بڑا کون چھوٹا سب اللہ کے بندے ہیں۔“

”اُہنا فلسفہ اپنے پاس رکھو۔ سمجھیں۔“ وہ چلا کر بولے۔

”اگر عید کا دن نہ ہوتا تو میں آج تمہیں اور اس جولاہے کے بچے کو اچھی طرح دیکھ لیتا۔ اب جاوید سے برداشت نہ ہو سکا۔ تیری سے چلتا ہوا ان کے سامنے پہنچ گیا۔ پیالہ اس کے ہاتھ میں تھا۔

اس کے تن بدن میں آگ سی لگی ہوئی تھی۔ وہ گھر بھی نہیں گیا۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ اپنے ماسٹر صاحب کے مکان پر کھڑا تھا۔ اس نے دستک دی تو ماسٹر صاحب نے اسے اندر بلا لیا۔

”کیا بات ہے قاضی صاحب!“

جاوید نے انہیں سلام کیا اور ماسٹر صاحب نے اسے دُعا دی۔

ایک گھنٹے کے بجائے دو گھنٹے پڑھایا کریں تو دس کے بجائے بیس روپے ماہوار ادا کرنے ہیں اور وہ اتنی بڑی رقم کسی صورت ادا نہیں کر سکے گا۔

کچھ دیر ان کے پاس بیٹھا رہا۔ ماسٹر صاحب نے اسے سوئیاں کھلائیں اور دو روپے عیدی دی۔ جب وہ شکریہ ادا کر کے جانے لگا تو ماسٹر صاحب نے کہا۔

”تم کہنا کیا چاہتے ہو؟ جاوید صاف صاف بات کرو۔“ ماسٹر صاحب نے کہا۔

”کُل سے ہم نے تمہارے لیے شام کا وقت مقرر کیا ہے۔“

”جاوید ان کی بات سن کر رُک گیا۔ پھر دھیرے سے بولا۔

”ماسٹر جی کیا میں جلدی نہیں پڑھ سکتا۔“

”بات یہ ہے ماسٹر صاحب میں اپنے گھر کا واحد سہارا ہوں، صبح اخبار بیچتا ہوں، نوکری کر کے پیسے کما کر ماماں کو دیتا ہوں تو وہ گھر کا خرچ چلاتی ہیں۔“

”اچھا۔“ ماسٹر جی چونک کر بولیں۔

”یہ تو انسان کے اپنے اوپر ہوتا ہے۔“ ماسٹر صاحب بولے۔ ”اگر تم زیادہ محنت کرو تو.....“ جاوید نے جلدی سے بات کاٹ کر کہا۔

”تم نے آج تک تو نہیں بتایا۔“ ماسٹر صاحب بھی متاثر ہوئے۔

”کیسے بتاتا ماسٹر صاحب!“

وہ بولا۔ ”اول تو اس کی ضرورت نہیں تھی۔

پھر ہر شخص کی ایک عزت ہوتی ہے۔“

”لیکن ماسٹر جی! محنت تو میں کر سکتا ہوں۔ پھر کچھ اور باتیں بھی تو ہوتی ہیں۔“ جاوید کو خیال آیا تھا۔ اگر ماسٹر جی

”اب تم شوق سے دو تین گھنٹے پڑھا کرو۔“ کارہی ہوگا تو وہ بولے۔

”تم سے کوئی فیس نہیں لی جائے گی۔“ ”ٹھیک ہے میاں! اگر تمہاری

یہ ہی تمنا ہے تو ہمیں یہ بھی منظور ہے۔“ ”نہیں ماسٹر صاحب یہ کیسے ہو

سکتا ہے۔“ وہ جلدی سے بولا۔ اس پر جاوید نے اُن کا بہت

بہت شکریہ ادا کیا۔ ”آپ کا یہ احسان کیا کم ہے

آج کا دن ہی اصل میں خوشی کہ آپ اتنی محنت اور محبت سے مجھے

کا دن تھا۔ بات یہیں تک نہ رہی۔ جاوید پڑھاتے ہیں..... میں آپ کو دیتا

کے جانے کے بعد ماسٹر صاحب نے ہی کیا ہوں؟“

”بس رہنے دو جاوید۔“ ماسٹر نے صاحبہ سے کہا۔

”یہ لڑکا مجھے بہت ہی زیادہ ماسٹر نے جی بولیں۔“ ایک لڑکے سے کچھ

ہو نہا رہا لگتا ہے۔ میرا خیال ہے اسے سیٹھ نہیں لیں تو کیا ہو جائے گا۔“ جاوید

کریم احمد کے ہاں نوکری دلا دی جائے۔ خاموش ہو گیا۔ مگر وہ بہت فکر مند تھا۔

”اب کیا بات ہے جاوید یہ آرام سے ان کا کام کرے گا۔“

”اُرے آپ نے بڑی اچھی میاں؟“ ماسٹر جی نے پھر اسے تسلی دی۔

سوچی۔ واقعی ایسا ہی کرتے ہیں۔“ ”ایک بات ہے جناب۔“ وہ

ماسٹر صاحب نے سفارش کی بولا۔ ”پیسے تو میں ضرور دوں گا۔ یہی فیس

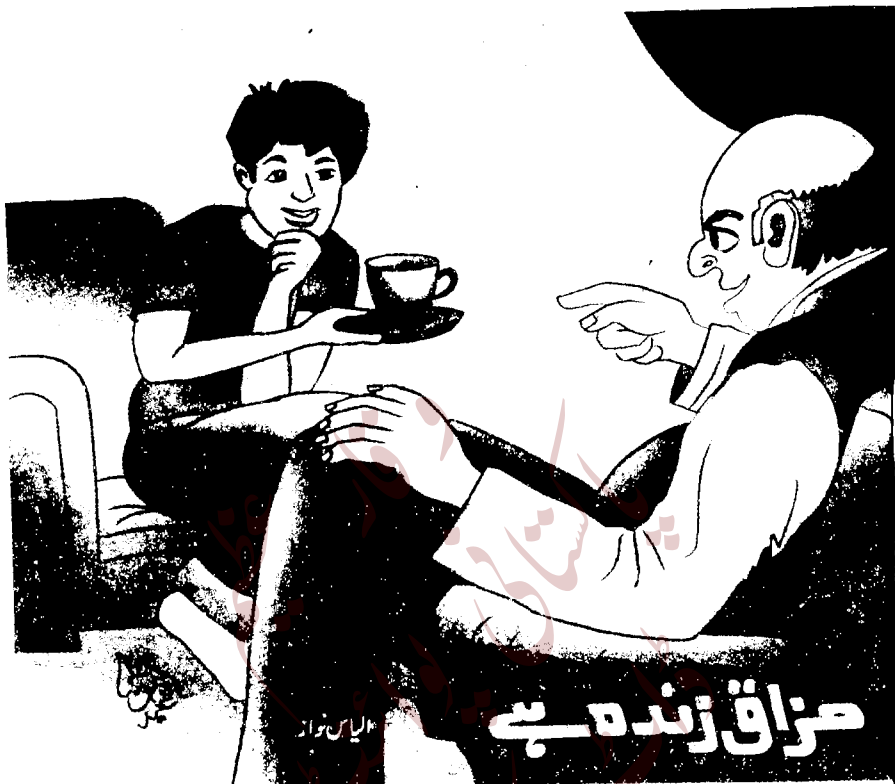
جو اس وقت دیتا ہوں اگر آپ مہربانی کر کہیں سائیکل پر اخبار بانٹنے والا لڑکا اور

کہاں اتنے بڑے سیٹھ کی نوکری۔ جاوید کے اتنی ہی لے لیں تو۔“

”ماسٹر جی نے سمجھا کہ لڑکا غیرت والا ہے اور زیادہ کچھ کہنا سنا ہے

نے جب یہ خوش خبری ماں کو آ کر سنائی تو

باقی صفحہ نمبر 85 پر



صداق زندہ ہے

سننے بھی شوق سے تھے، چاہے مذاق کرنے والا کسی بھی عمر کا ہوتا۔ آج جو ہم نے ملک چاچا کو نیچے کھڑے ہوئے دیکھا تو فیصلہ کیا کہ اگر چاچا نے گپ کی تو ہم اس کا ادب کے دائرے میں رہ کر بھرپور جواب دینگے۔ بس پھر چاچا نے مذاق کی ابتداء یوں کی کہ ٹینک ٹھیک کرتے ہوئے ہماری طرف نظریں اٹھا کر دیکھا اور بڑے پیار سے طنزیہ سوال کیا ”بیٹا! میں اس دروازے کیساتھ اپنا سر پھوڑ لوں کیا؟ ہم نے اوپر سے ہی رونے والی شکل بناتے ہوئے کہا نہیں۔ نہیں چچا! ابھی دروازہ کھولتے ہیں، مہربانی فرما کے سر کو دروازے

دھاڑ... دھاڑ... دروازہ کافی دیر سے کھٹکھٹایا بلکہ دھڑ دھڑایا جا رہا تھا۔ ہم نے انتہائی کاہلی کیساتھ اٹھ کر اوپر کی بالکونی سے نیچے دیکھا تو ابا جان کے نہایت عزیز دوست جناب ملک صاحب تھے جنہیں ہم ”ملک چاچا“ کہتے تھے۔ وہ تقریباً روزانہ ہمارے گھر آتے تھے مگر ہم اس زمانے میں مدرسے میں پڑھتے تھے اور رہتے بھی وہیں تھے۔ کبھی کبھی گھر آنا دوتا تھا اس لئے ملک چاچا سے کبھی تفصیلی ملاقات نہیں دیتی تھی۔ مگر ہمیں یہ معلوم تھا کہ ملک چاچا بہت ہی اقدیر اور مہنگی شخصیت ہیں۔ گپ کرتے بھی تھے اور

کیا تھمت ماریے گا کیوں کہ آپکا سر تو بغیر بالوں کا سادہ سا ہے، اسکی تو چلو خیر ہے، مگر یہ دروازہ اباجی نے ابھی ہی بڑے شوق سے بنوایا ہے۔ یہ بڑی اعلیٰ لکڑی کا بنا ہوا ہے اور اس پر انتہائی نفیس ڈیزائن بنا ہوا ہے یہ آپکے سر لگنے سے کہیں خراب نہ ہو جائے، بس ہم ابھی آئے، ہم نے نیچے جا کر دروازہ کھولا، سلام کیا تو کہنے لگے ”یار! یہ بتاؤ کہ تم نے اوپر سے دیکھ لیا تھا کہ چاچا آئے ہیں؟“ ہم نے کہا نہیں تو! اگر دیکھ لیا ہوتا تو دروازہ ہی کیوں کھولتے؟ کہنے لگے ”تو یار! دروازہ کیوں نہیں کھول رہے تھے؟“ میں نے گھٹنی بھی بجائی ہے کافی مرتبہ، ہم نے کہا... وہ... اصل میں بجلی نہیں تھی ناں تو بیل بجی نہیں۔ کہنے لگے دروازہ بھی بہت کھٹکٹایا ہے۔ ہم نے کہا، اصل میں جس طرح آپ نے دروازہ کھٹکٹایا ہے اس طرح فقیر کھٹکٹاتے ہیں، اسلئے ہم نے اٹھنے کی زحمت نہیں کی۔ اور پھر بجلی بھی تو نہیں ہے کہنے لگے ”اچھا! تو کھٹنی کا تعلق تو بجلی سے ہے مگر کھٹکٹانے کی آواز تو بغیر بجلی کے بھی جاتی ہے تو کھٹکٹانے کا کیا تعلق؟ ہم نے کہا کہ تعلق ہے! بھی بجلی نہیں ہوگی تو کوئی بھی دروازہ کھٹکٹا کر نا جائز فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ کہنے لگے ”اچھا یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے فقیر سمجھا یا چور؟“ ہم نے فوراً کہا، تو یہ تو بھلا، چچا ہمیں کیا اختیار کر کے ہم آپکو کچھ سمجھیں آپ خود ہی ان دونوں میں سے پسند کر لیجئے۔ کہنے لگے ”یار! تم تو مجھ سے بھی زیادہ دماغ کھاتے ہو، جاؤ! ابا سے کہو کہ ملک چاچا آئے ہیں۔ ہم نے کہا، چچا! ابو تو نہیں ہیں مگر آپ اوپر

ہی آجائیے، بس آنے ہی والے ہو گئے۔ کہنے لگے ”بھئی میں تو نیچے ہی بیٹھوں گا۔“ ہم نے کہا چچا جان! آپ نیچے کیوں بیٹھیں گے؟ نیچے والے کمرے کو کوئی آنسکریم لگی ہوئی ہے؟ کہنے لگے ”نہیں! بات یہ ہے کہ میں اوپر نہیں چڑھ سکوں گا، بڑھاپے کی وجہ سے میرے گھٹنوں میں فالودہ پڑ گیا ہے۔“ ہم نے کہا، زبان میں تو کوئی برف نہیں پڑی، ماشاء اللہ فر فر چل رہی ہے۔ مسکرائے اور کہنے لگے ”بہت بدتمیز ہو تم۔“ ہم نے سر جھکا کر عرض کی کہ، بس آپ بزرگوں کی دعائیں ہیں، کبھی سوچا نہیں اس بارے میں۔ کل کھلا کر بس پڑے۔ ہم نے کہا اچھا آپ بیٹھے ہم آپ کیلئے چائے لٹکراتے ہیں۔ جب چائے آگئی تو کہنے لگے ”یہ کیا؟ کپ کسی اور سیٹ کا اور پرچ کسی اور سیٹ کی لے آئے ہو۔“ ہم نے فوراً کہا، نہیں تو! کہنے لگے ”تو یہ بیانی کا رنگ اور ڈیزائن کسی اور طرح کا اور پرچ کا رنگ اور ڈیزائن کسی اور طرح کا کیوں ہے؟ ہم نے کہا آجکل یہی چل رہا ہے کہ کرتا کسی اور رنگ، ڈیزائن اور کپڑے کا جبکہ شلوار کسی اور رنگ، ڈیزائن اور کپڑے کی۔ چاچا لا جواب ہو گئے تھوڑی دیر سوچا اور پھر کہنے لگے ”اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارے گھر کے ایک سیٹ کی بیالیاں ٹوٹ گئی ہیں اور دوسرے کی پرچیں۔“ ہم نے کہا، نہیں! اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے گھر میں چائے کے دو قیمتی سیٹ موجود ہیں اور دونوں کی پرچیں اور بیالیاں سلامت ہیں۔ کہنے لگے ”اسکا ثبوت؟“ ہم نے کہا

اگلی مرتبہ جب آپ ہمارے گھر آئیں گے تو مل جائے گا۔ کہنے لگے ”وہ کیسے؟“ ہم نے کہا، وہ ایسے کہ آج جو پیالی لائے ہیں اگلی مرتبہ اسکے ساتھ کی پرچ، اور جو پرچ آج لائے ہیں اس کے ساتھ کی پیالی لائیں گے تو یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ دونوں سیٹوں کی دونوں چیزیں سلامت ہیں۔ چاچا مسکرائے اور کہنے لگے ”اور یہ چائے کے ساتھ اتنا بڑا چمچ ہوتا ہے جتنا بڑا تم لے آئے ہو؟“ ہم نے کہا، ہمارا بس چلتا تو ہم وہ چمچ لے آتے کہ جس سے ٹرک لوڈ ہوتا ہے۔ حیرانی سے کہنے لگے ”وہ کونسا؟“ ہم نے کہا ”پیلچے“ کہتے ہیں اس بچے کو۔ کہنے لگے ”وہ کیوں؟“ ہم نے کہا جس حساب سے آپ چینی چائے میں ڈالتے ہیں تو ٹھک جاتے ہوں گے بار بار چمچی بھر بھر کے ڈالتے ڈالتے، پیلچے کا تو یہ ہے کہ ایک ہی مرتبہ بھر کے ڈالا اور جان چھوٹی۔ کہنے لگے ”بیٹا بات سنو! کیتلی میں چائے ہی ہے؟“ ہم نے کہا آپکو شک ہے؟ کہنے لگے ”یار! تمہارا کیا بھروسہ کہ شربت ہی نہ لے آئے ہو؟“ ہم نے کہا چاچا! ہم ان دودھ پیچنے والے میراثیوں میں سے نہیں ہیں کہ جو بانسریوں میں دودھ ڈال کر خالی کو بچوں کو بھانا شروع کر دیتے ہیں۔ کہنے لگے ”یار تمہارے پاس ہر بات کا جواب ہے۔“ اور ساتھ ہی پلیٹ میں سے گلاب جامن اٹھا کر کھانے لگے تو ہم نے شور مچا دیا۔ ارے... ارے... چاچا جھیل تو لیتے۔ چاچا فوراً ٹھٹھک کر ڈک گئے تھوڑی دیر تو ہمارا منہ دیکھتے رہے پھر انہیں سمجھ میں آئی کہ ان پر غداق کا سخت حملہ ہو چکا

ہے۔ فوراً شدید جوابی حملہ کرتے ہوئے گلاب جامن واپس پلیٹ میں رکھ کر پلیٹ کو ہماری طرف کھسکاتے ہوئے فرمایا۔ ”لو بیٹا! تم جھیل کر دیدو“ ہم نے دو گلاب جامن اٹھا کر منہ میں رکھتے ہوئے کہا، چاچا! ہمیں چھیلنا نہیں آتا۔ اب جو چاچا جانے دیکھا کہ گلاب جامنوں پر قیامت ٹوٹ پڑی ہے تو فوراً پلیٹ اپنی طرف کھینچ کر بولے ”مجھے بغیر جھیلے ہی پسند ہیں۔“ اور پھر اس کے بعد گلاب جامنوں کا کہیں سراغ نہیں ملا۔ ہم نے کہا چاچا آپ بیٹھا کچھ زیادہ ہی نہیں کھاتے۔ کہنے لگے ”ارے میں تو اتنا بیٹھا کھاتا ہوں کہ جب میں منٹائی کی دوکان پر جاتا ہوں تو منٹائیاں پناہ مانگنے لگتی ہیں، مجھے تو دیکھ کر جلیبیاں سیدھی ہونے لگتی ہیں، گلاب جامن چوکور ہونے لگتے ہیں، برنی گول ہونے لگتی ہے، رس گلے بھیجنے ہونے لگتے ہیں، رس ملائی کو تانی یاد آ جاتی ہے۔ ایک اور بات بتاؤں! کہ میں لینے لڈو جاتا ہوں، مانگتا رس گلے ہوں، وہ دیتا فلاقتہ ہے، میں لیکر کھویا آتا ہوں۔“ ہم نے کہا، جلیبیاں بھلا کیوں نہ سیدھی ہوں کہ جب آپ اُن پر مصالحہ چھڑک کر کھائیں گے تو ایسا تو ہوگا اور برنی کو چٹنی کے ساتھ کھائیں گے تو وہ یہ قلم کیسے برداشت کرے گی، پھر اس نے گول ہی ہوتا ہے۔ ابھی ہماری بات جاری تھی کہ چاچا نے کہا یار بس کرو تم تو میرے پیچھے ہی بڑ گئے ہو۔ پھر اچانک بیٹھے بیٹھے کہنے لگے ”میرا دوست شمیم مجھے یاد کر رہا ہے۔ ہم نے کہا آپکو کیسے پتا؟ کہنے لگے ”کیونکہ میں اسے یاد کر

تہہ میں شامک کی سالگرہ ہو رہی تھی یا ڈولفن کی قبر پر چراغ جل رہے تھے؟“ ہم نے کہا دیکھئے! ہم نے چراغ کا نہیں موم بتیوں کا ذکر کیا ہے اور آپ یہ بتائیے کہ کیا درخت نے چاند والے جھمکے کانوں میں ڈالے ہوئے تھے یا پرندوں کی شادی میں چاند درخت پر اتر آئے تھے کہ چلو چراغاں (لائٹنگ) ہی ہو جائے؟۔ چاہا یہ بات سن کر تلملا گئے اور جواب دینے کے بجائے اُلٹا سوال داغ دیا۔ کہنے لگے ”تم نے سمندر میں کیوں موم بتیاں دیکھی ہیں، کیا سمندر والوں کی بجلی چلی گئی تھی؟“ ہم نے عرض کیا کہ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ جب ساری بجلی درخت کے چاندوں کو ملے گی تو سمندر میں موم بتیاں ہی چلیں گی ناں!..... کہنے لگے ”بھئی بھتیجیہ بہت اعلیٰ، بہت اعلیٰ“ پھر کہنے لگے ”یار تم کچھ کھیلتے بھی ہو یا ساری توانائی باتیں بنانے میں ہی خرچ کرتے ہو؟“ میں نے کہا چاہا! ہم تو جب بھی فٹبال کھیلتے ہیں، ہماری اپنی ٹیم سے لڑائی ہو جاتی ہے۔ کہنے لگے ”وہ کیوں؟“ کیونکہ وہ فٹبال لاتوں سے کھیلتے ہیں اور ہم ہاتھوں سے، وہ فٹبال سے فٹبال ہی کھیلتا چاہتے ہیں اور ہم کرکٹ، وہ فٹبال سے گول کرنا چاہتے ہیں اور ہم چھکے اور چوکے لگانا چاہتے ہیں ورنہ کم از کم فٹبال کھیلتے ہوئے رن بنانا تو ہماری خواہش ضرور ہوتی ہے۔ کبھی اسی طرح کی لڑائی ہو گئی تھی۔ پھر ہم سب نے سوچا کہ لڑنا اچھی بات نہیں ہے، بس پھر نہ ٹیم والوں نے فٹبال کھیلی اور نہ ہم نے کرکٹ کھیلی بلکہ سب نے مل کر فٹبال سے ہاکی کھیل لی۔

رہا ہوں۔ تم نے وہ بات تو سنی ہوگی کہ ”دل سے دل کو راہ ہوتی ہے“۔ ہم نے کہا جی! بالکل بالکل اسکا عملی تجربہ بھی ہے۔ ہم جب بھی اپنے دوست فیمل کو بہت یاد کرتے ہیں تو انگلیڈنڈ سے اسکا فون آ جاتا ہے، مگر ہم آپکو ایک اور بات بھی بتائیں کہ ”پیٹ کو سر سے اور سر کو گھٹنوں سے بھی راہ ہوتی ہے“ اور ہمیں اسکا بھی عملی تجربہ ہے۔ اب دیکھئے ناں! کل ہمارے سر اور پیٹ میں درد ہو رہا تھا۔ سر درد کی گولی کھائی تو پیٹ کا درد چلا گیا اور گھٹنے کی مالش کی تو سر ٹھیک ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر پیٹ پر خارش ہوتی ہے تو ہم پیٹ کھجاتے ہیں۔ کہنے لگے ”یار ادوائی سے یاد آیا۔ پرسوں مجھے سخت بخار ہو گیا تھا، ڈاکٹر نے دوائی کیسا تھ نیند کی گولیاں بھی دی تھیں۔ سو نے سے پہلے میں نیند کی گولی کھانا بھول گیا۔ جب نیند آگئی تو خیال آیا کہ گولی تو کھائی نہیں۔ اسی خیال سے جاگ گیا اور جب گولی کھا کے سو یا تو نیند نہیں آئی۔“ ہم نے کہا، اچھا یہ بتائیے کہ بخار سادہ تھا یا سر درد کے ساتھ؟ کہنے لگے ”سادہ تھا، تم یہ بتاؤ کہ تمہارا پیٹ درد سادہ تھا؟ ہم نے کہا ”نہیں گونا کناری لگی ہوئی تھی“۔ ایک زوردار قہقہہ لگایا اور دیر تک ہنستے رہے۔ پھر کہنے لگے ”یار نیند سے ایک بات یاد آئی۔ رات میں نے عجیب خواب دیکھا۔ درختوں پر چاند لگے تھے۔ ہم نے کہا اچھا! ہم نے تو اس سے بھی عجیب دیکھا ہے۔ کہنے لگے ”وہ کیا؟ ہم نے کہا، سمندر کے پانی کی تہوں کے نیچے موم بتیاں جلتی ہوئی دیکھی ہیں۔ کہنے لگے ”کیوں! کیا سمندر کی

کہنے لگے ”بھئی جواب نہیں ہے تمہارا“ پھر اچانک
 چاچا نے نیا کام کیا۔ جیب سے ٹشو نکال کر کہنے لگے
 ”یار ذرا اسے تو دھواؤ“ ہم نے پوچھا کہ کیا کرتا ہے؟
 کہنے لگے ”منہ صاف کرتا ہے“ ہم نے کہا یہ اتنی سخت
 چیز ہے کہ ہاتھ سے تو دھلے گا نہیں اور بجلی بھی نہیں
 ہے، تو مشین میں بھی دھلنے سے رہا کہ چلو بندہ دھو کر
 فوراً سکھانے کیلئے استری کر لے، دھوئی ہاتھ کے ہاتھ
 دھو کر دیتا نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہم نے ایک
 رسالے میں سے ایسا صفحہ چھڑا کے انہیں دیدیا کہ جسکی
 دونوں طرف اشتہارات تھے اور عرض کیا کہ پہلے اشتہار
 پڑھ لیجیے تاکہ ان اشتہارات کا مقصد پورا ہو جائے اور
 فی الحال منہ صاف کرنے کیلئے اسی سے گزارا چلائے،
 بعد میں دیکھی جائے گی۔ چاچا آٹھتے ہوئے کہنے لگے
 ”یار مجھے اور بھی بہت کام ہیں تمہارے ساتھ بیٹھا رہا
 تو بیٹھا ہی رہ جاؤں گا“۔ جوتے پہنتے ہوئے ہمارے
 پاؤں کی طرف دیکھتے ہوئے فرمانے لگے ”یار
 تمہارے پاؤں دیکھ کر وہ مثال یاد آگئی ہے“۔ ہم نے
 فوراً پوچھا کوئی؟ سر بڑا سردار کا، پاؤں بڑا گنوار کا؟ فوراً
 خوش ہو کر بولے ”بھئی والی، تم نے اپنے آپکو خوب
 پہچانا ہے“۔ ہم نے کہا چاچا آپکو ہمارا اتنا بڑا سر نظر
 نہیں آتا؟ کہنے لگے ”یارا تو تمہارے سر بھی تو بڑے
 ہیں“۔ ہم نے کہا چلو ٹھیک ہے اس بڑا اٹھندی کی نشانی
 ہے اور بڑا اجمالت کی، تو اس طرح ہم تو ہو گئے
 فنی فنی، مگر آپ کس کھاتے میں ہیں؟ کیونکہ آپکا
 سر اور پاؤں دونوں ہی چھوٹے ہیں۔ کہنے لگے ”یار تم

نے مجھے نہ تو ہی خوف بنایا اور نہ ہی اٹھندہ۔ ارے کچھ تو بتا
 دیئے“، ہم نے کہا چاچا! ہم کون ہوتے ہیں کچھ
 بنانے والے، سارے جہاں کو اللہ نے بنایا ہے، جس
 نے آپکو نہ ”دو“ بنایا اور نہ ”دو“۔ چاچا سے کوئی بات
 نہ بن پڑی تو وہ چلے بنے اور پھر اسکے چند دن بعد ہی
 ایک بڑی گپ کر گئے یعنی عید والے دن انتقال کر
 گئے۔ اسکے ایک ہفتہ بعد جب ہم ابا جان کیساتھ اٹکے
 گھر گئے تو اٹکے چھوٹے بیٹے باہر بھائی اچانک رو رو کر
 ابا جان سے کہنے لگے ”تایا جان! یقین کیجئے، جب
 سے ابا جان کا انتقال ہوا ہے ہند میں عجیب عجیب سے
 خواب آنے لگے ہیں۔ کل رات کی بات ہے، میں
 نے دیکھا کہ گوٹکے تقریریں کر رہے تھے، اندھے
 اخبار پڑھ رہے تھے، مجھے سنگھیاں کر رہے تھے۔
 تایا جان! آپ ہی بتائیے کہ بھلا میں کب تک لنگڑوں
 کی ریس دیکھتا؟ ہم باہر بھائی کی بات سکر ہکا بکا رہ
 گئے کہ یہ رو رو کر گپ کر رہے ہیں یا خواب سنا رہے
 ہیں۔ ابھی ہم انہیں سوچوں میں گم تھے کہ ہماری
 آنکھیں پٹی کی پٹی رہ گئیں کیونکہ چاچا کا مذاق اگلی دو
 نسلوں تک زندہ تھا کہ جب باہر بھائی کا چھوٹا سا بچہ
 انکی گود میں آکر بیٹھتے ہوئے بولا ”بابا! میں قبرستان
 والوں کو وہ بات بتا کر آ جاؤں؟ جو ماموں جان آپ
 سے کہہ رہے تھے کہ، خیال سے سویا کرو، آجکل
 چوریاں بہت ہو رہی ہیں“

☆.....☆

بچوں کے لئے ایک خوبصورت تحریر۔۔۔۔۔ ایس۔ امتیاز احمد (کراچی)

سوالیہ نشان۔۔۔۔۔

”پیارے بلبل“ کیا بات ہے، کچھ پریشان نظر آ رہی ہو، نہیں بس کچھ بھی کرنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے بلبل نے فاختہ کو نالٹا چاہا۔ فاختہ کافی دنوں سے دیکھ رہی تھی کہ بلبل کچھ ادا اس ہے۔ لیکن اس کی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ بلبل نے اپنے دوستوں سے زیادہ بات چیت کرنا بھی چھوڑ دی تھی۔ اس بات کا سب سے زیادہ دکھ فاختہ کو ہوا جو بلبل کی پڑوسی بھی تھی۔

ایک دن فاختہ اڑتی ہوئی آئی اور آتے ہی بلبل سے بولی دیکھو موسم کتنا اچھا ہو رہا ہے۔ ہر طرف خدا کی رحمتیں برس رہی ہیں۔ تمام چمند پرند خدا کا شکر ادا کر رہے ہیں۔ چلو میرے ساتھ باہر چلو، ہم بھی قدرت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں اور اس کا شکر ادا کریں۔

”نہیں تم جلی جاؤ ابھی میں کہیں نہیں جاؤں گی لیکن فاختہ اس جواب سے مطمئن نہیں ہوئی اور اس نے ساف الفاظ میں کہہ دیا کہ اب میں اس وقت تک نہیں جاؤں گی جب تک تم مجھے اس طرح مسلسل ننگلین رہنے کی وجہ نہیں بتاؤ گی۔ فاختہ کے مسلسل اصرار کرنے پر بلبل نے کہا وہ وہ اپنے دوست جٹانوکے وجہ سے پریشان ہے جو کافی دنوں سے نہیں آیا تو میری پریشانی بڑھ گئی تھی۔ میں ہر وقت اللہ میاں سے اپنے دوست کی زندگی اور صحت کے لئے دعائیں مانگتی ہوں۔

فاختہ نے جب یہ وجہ سنی تو اس نے بلبل سے وعدہ کیا کہ وہ اس کے دوست کو کہیں سے بھی ڈھونڈ کر

لائے گی۔ اس کے بعد فاختہ جگنو کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔ اس تلاش میں پورا دن گزر گیا، لیکن جگنو کہیں نظر نہیں آیا۔ فاختہ بہت تھک چکی تھی لیکن اسے اپنی دوست سے کیا ہوا وعدہ بھی تو پورا کرنا تھا اس نے پہلے کہ فاختہ کی مایوسی کچھ اور بڑھ جانی اسے درخت کے آخری سرے پر بیٹھا ہوا جگنو نظر آیا جو لمبی لمبی سانسیں لے رہا تھا۔ فاختہ نے اسے دیکھا تو اللہ کا شکر ادا کیا کہ سارے دن کی محنت وصول ہوئی۔

”جگنو میاں، کہاں ہو تم تمہاری دوست بلبل تمہارے لئے کتنی بے چین ہے اور اس نے اتنے دنوں سے کچھ نہیں کھایا یا پیا۔“ فاختہ نے جگنو کو ساری بات بتائی۔

مجھے بھی اپنی دوست سے بے حد محبت ہے لیکن اب تو لگتا ہے میرا آخری وقت آ گیا ہے۔ میں نہیں جانتی کہ میں اب تک زندہ نہیں رہ پاؤں گا۔ کاش میں اڑ سکتا اور اپنی دوست سے آخری بار مل لیتا۔ یہ کہہ کر جگنو آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

تم پریشان نہ ہو۔ میں تمہیں اپنی چونچ پر اٹھا لوں گی اور ہر قیمت پر تم دونوں دوستوں کو آپس میں ملاؤں گی۔ فاختہ کے لہجے میں ایک عزم تھا۔ فاختہ نے جگنو کو اپنی چونچ پر اٹھایا اور تیزی کے ساتھ اڑنے لگی۔ وہ جلد از جلد بلبل کے پاس پہنچ جانا چاہتی تھی لیکن پھر بھی مغرب ہو گئی۔ اسے کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا۔ بالآخر وہ جیسے تیسے کر کے مطلوبہ مقام تک پہنچ گئی۔ بلبل جو خاصی پریشان تھی۔ فاختہ کی آواز سن کر جھوم اور بولی۔ ”میری پیاری دوست کہو میرے دوست جگنو کا کیا حال ہے۔ چونکہ فاختہ کی چونچ میں جگنو اس لئے وہ بلبل کے سوال کا جواب نہیں دے سکتی تھی۔ فاختہ گھپ اندھیرے میں بھی راستہ ڈھونڈتی رہی۔ بلبل کے پاس پہنچی۔ اس مختصر خاموشی نے بلبل کو مزید پریشان کر دیا۔ فاختہ نے جگنو کو ایک پتے پر رکھ کر بولی ”میری پیاری بلبل“ میں نے اپنا وعدہ پورا کیا اور تمہارے آس پاس اتنا اندھیرا کیوں ہے۔

”میری اچھی دوست سب سے پہلے تو میں بی فاختہ کا شکر یہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ اس نے ہم

ماہنامہ بچوں کی کہانیاں گرامی

دوستوں کو آپس میں ملا دیا۔ اس کے بعد مجھے نہایت افسوس سے کہنا پڑا ہے کہ اب میں چمک نہیں سکتا۔ اب میں اندھیرے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتوں گا۔ میری پیاری دوست یہ کہتے ہوئے جگنو کے لہجے میں عجیب سی بے بسی تھی۔ کیا ہوا تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔ تمہیں کیا ہوا؟ میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گی، بلبل تڑپ اٹھی۔

فاختہ نے یہ صورت حال دیکھی تو بولی ابھی اسے آرام کرنے دو صبح جگنو میاں سے تفصیل پوچھنا۔ صبح ہی صبح فاختہ بلبل کے گھونسلے میں آگئی۔ جگنو ادھ موا ہو چکا تھا۔ اس پر بے ہوشی کی کیفیت طاری تھی۔ بلبل نے اس کو آوازیں دینا شروع کیں مگر جگنو اپنی جگہ پر خاموش پڑا رہا۔ بلبل کی مسلسل چیخ پکار پر جگنو نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور بولا۔ میری دوست تم یہ جاننا چاہتی ہو کہ یہ سب کیسے ہوا تو سنو! یہ سب حضرت انسان کی کرم فرمائی ہے۔ ایک کسان اپنی فصلوں کو کیڑے مکوڑوں سے بچانے کے لئے زہریلی ادویات کا اندھا دھند استعمال کر رہا تھا۔ اس کے ایسا کرنے سے ہوا میں مٹی میں زہر در آلودگی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اتفاق سے میرا بھی وہاں سے گزر رہا تھا۔ بس زہر نے میرا بھی کام تمام کر ڈالا۔ کاش انسان یہ بات سمجھ لے کہ جب وہ نقصان پہچانے والے کیڑوں کے لئے زہر پھیلا رہا ہوتا ہے تو وہاں دوست کیڑے بھی ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کیڑے مکوڑے یوں ہی پیدا نہیں کیے۔ ان کے بھی کئی کام ہیں مگر جگنو نے ہنگامی اور کچھ دیر بعد خاموش ہو گیا۔ وہ لمحات بلبل کے لئے صدیوں کے برابر تھے۔ بی فاختہ کی آنکھوں کے گوشے بھی بھیٹ گئے تھے۔ جگنو نے دوبارہ بولنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ میری دوست مجھ سے وعدہ کر دو کہ تم میرا یہ پیغام انسانوں تک ضرور پہنچاؤ گی۔ شاید میرے کچھ دوست اذیت ناک موت مرنے سے بچ جائیں۔ یہ میری آخری خواہش بھی ہے۔ جگنو نے یہ کہہ کر آخری سانس لی اور اپنی آنکھیں ہیضہ کے لئے بند کر لیں۔

دوسرے دن جنگل میں ایک خاص پروگرام تھا جس میں تمام پرندے شامل تھے لیکن ان میں بلبل شامل نہیں تھی۔ وہ ایک شاخ پر اداس بیٹھی تھی موت برحق ہے۔ بلبل کو اپنی دوست کی موت سے زیادہ اس حادثے کا غم تھا۔ جس کی وجہ سے اس کا اتنا پیارا دوست اسے ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر چلا گیا۔ اب بلبل زیادہ دیر تک گھر سے باہر نہیں رہتی۔ وہ مغرب سے پہلے ہی اپنے گھونسلے میں واپس آ جاتی ہے۔ ناریک راتیں اور ناریک ہونگی ہیں۔ اور بلبل یہ بات اچھی طرح جانتی ہے کہ اب اگر وہ راستہ بھول گئی تو اسے راستہ دکھانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

جنگو مر گیا لیکن اپنے پیچھے کئی سوال چھوڑ گیا۔ اس نے انسان سے جو سوال کیا تھا اس کا جواب کسی نے نہیں دیا۔ یہ آلودگی اگر بڑھتی رہی تو ایک دن بلبل بھی نہیں چپکے گی اور انسان کی اپنی بقاء بھی ایک سوالیہ نشان بن جائے گی۔



اور اگر مر ہی گئے تھے تو اب ادھر ادھر
ماں فوراً سجدے میں گر پڑی۔
اٹھ کر ٹہلنا کیوں شروع کر دیا؟“
ہماری بات کا جواب دیئے
پھر زہرہ بھی آگئی۔ آج کا دن
ان کے لیے سچ مچ عید کا دن ہی ثابت ہوا
تھا۔ اب ان کے دن بھی خوشی سے بھر
جائیں گے۔ ایسا ہی ہوا، یہ عید ان کے
لیے صحیح معنوں میں عید ثابت ہوئی تھی۔
(ختم شد)



جمعہ کی تلاش شروع کر دی جو نشہ کم
اور کام زیادہ کرتا ہو اور جس کی تمام
بیویاں پہلے سے ”انتقال شدہ“ ہوں۔
(ختم شد)

نیہا اعجاز اورنگی ٹاؤن کراچی

نفرت کو ایک اچھا موقع ملا وہ لکڑہارے کی بیوی سے متعلق ہوئی: ”تمہارا شوہر کسی بھی طرح تم لوگوں کا خیال نہیں کرتا ہے۔ شہر میں جا کر خود پیش کرتا ہے۔ وہ تم لوگوں سے ہرگز محبت نہیں کرتا ہے۔“

جیسے ہی لکڑہارا شام کو گھر پہنچا تو اس کی بیوی نے کہا: ”حسب کے اہل! تم ہمارے لیے کچھ نہیں لاتے ہو۔ اوروں کو دیکھو اپنے بیوی بچوں کا کتنا خیال رکھتے ہیں۔“

لکڑہارے نے اپنی بیوی کو بہت سمجھانے کی کوشش کی، لیکن وہ کسی طرح بھی نہ ملتی۔ ہر روز ان کا جھڑا طویل پکڑتا رہا اور نفرت اپنی جیت پر خوش ہوتی رہی۔

محبت نے اپنی طلسمی انگوٹھی نکالی جو اسے ایک رحم دل جلوہ گر نے تحفے کے طور پر دی تھی تاکہ وہ دنیا کو نفرت کے شر سے بچا سکے۔ طلسمی انگوٹھی میں ایک جن تھا جو مشکل وقت میں اس کے کام آئے۔ جلوہ گر کا آخری وقت آپہنچا تو اس نے محبت کو قریب بلا کر دنیا میں محبت ہانپنے کا درس دیا۔ پھر جلوہ گرفت ہو گیا۔

محبت نے طلسمی انگوٹھی کے جن سے نفرت کا پتا معلوم کیا۔ جن نے بتایا کہ نفرت اس وقت پاکستان میں موجود ہے۔ وہ پلک جھپکے میں پاکستان پہنچی۔ سب سے پہلے لکڑہارے کی بیوی کے دل میں محبت بھر دی۔ طلسمی انگوٹھی سے پھر نفرت کا

کسی جگہ محبت اور نفرت ایک ساتھ رہے تھے، لیکن ان دونوں کی آپس میں نہیں بنتی تھی۔ نفرت ہمیشہ کسی نہ کسی گھر میں داخل ہو کر لوگوں کو اپنے جال میں پھنسا کر خوش ہوتی اور اسے اپنی جیت سمجھ لیتی، لیکن محبت وہاں پہنچ کر لوگوں کی نفرت سے جان چھڑاتی اور خوشی اور امن پھیلا دیتی۔ محبت ہمیشہ نفرت کو سمجھاتی، لیکن وہ ایک نہ سنی۔ نفرت نے دیکھا کہ کسی بھی طرح سے اس کی جیت نہیں ہو رہی ہے تو اس نے وہ جگہ چھوڑنے کی غلغلہ لی۔ ابھی وہ جنگل کے قریب سے گزر رہی تھی کہ ایک جمپوزی نظر آئی۔

جمپوزی ایک لکڑہارے کی ملکیت تھی۔ لکڑہارا بہت سختی اور محنت سے تھا۔ وہ شام کو لکڑیاں کاٹ کر صبح سویرے شہر میں بیچ آتا۔ جن

سے ان کا گزر ہوا اچھی طرح ہو جاتا تھا۔ اس کے دونوں بیٹے فدا احمد حسب کے گاؤں میں زیر تعلیم تھے۔ اس کی بیوی بھی ایک اچھی عورت تھی۔ نفرت کو ان کا خوشی سے رہتا کسی بھی طرح سے عزیز نہ تھا۔

لکڑہارا ایک دن لکڑیاں بیچے شہر گیا ہوا تھا تو

ہاں مظلوم کیلئے بتایا گیا کہ نفرت اس وقت ایک یہ دھویں بھرا آلود آسمان چھوڑ دیا۔ میں نے رونا بڑے شہر میں موجود ہے۔ جہاں اس نے لوگوں شروع کر دیا اتنے میں امی کی آواز میرے کانوں کے دلوں میں نفرت بھر کر سارے شہر کو بھلا کر دیا ہے۔ اور ہمارے پیارے ملک پاکستان کے نہیں جانا۔

کلوے کرنا چاہتی ہے محبت نے وہاں پہنچ کر طلسمی انگوٹھی کے جن کی مدد سے نفرت کو ایک بوتل میں قید کر دیا۔ اور وہاں کے لوگوں کے دلوں میں محبت بھر دی۔ یوں ہمارا پیارا وطن پاکستان ایک خوش حال ملک بن گیا۔

عینی اعجاز اورنگی ٹاؤن کراچی

مریم صدف، نارتھ کراچی

منعم میاں جب سے اسکول سے واپس آئے تھے اپنی ہی سوچوں میں گم تھے۔ کھانا کھاتے ہوئے امی نے پوچھا: ”کیا ہوا منعم؟“

”امی! کچھ نہیں۔“ منعم نے مسکراتے ہوئے کہا، مگر امی مطمئن نہ ہوئیں۔ اور دلاوی اماں نے اپنے کمرے سے آواز دی: ”ارے منعم! منعم میاں ابھی تک اسکول سے نہیں آئے؟“

امی کے بدلے منعم نے ہی جواب دیا:

”اگیا ہوں دادی جان!“ اور جواب دیتے ہوئے دادی کے کمرے میں چلا گیا اور حسب معمول دن بھر کی روداد سنانے لگا۔ دراصل منعم میاں کی خاموشی سب کو اس لیے محسوس ہو رہی تھی کہ شرارت، شور اور منعم میاں لازم و ملزوم تھے۔ یہ بات ناممکن تھی کہ جہاں منعم میاں ہوں وہاں یہ دونوں چیزیں نہ ہوں اور ذہانت کی

میں صبح سو کر اٹھی تو مجھے سانس لینے میں شدید تکلیف محسوس ہونے لگی۔ میں نے سانس کی تکلیف کم کرنے والی گولیاں کھائیں پھر مچھلی کھائی اور تیار ہو کر اسکول جانے کے لیے چھوٹی سی کشتی میں سوار ہو گئی۔ ایک بڑی کشتی کے لوگوں کو سانس لینے میں خاصی تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ ہمیں تینوں وقت مچھلیاں کھانی پڑتی ہیں۔ یہ سب کچھ سوچ کر میرے سر میں شدید تکلیف ہونے لگی۔ میں سوچنے لگی کہ کاش میں پہلے ہوتی تو میں ایسا نہ ہونے دیتی۔ میں لوگوں کو امن کا پیغام پہنچاتی میں یہ جنگ روکتی جس نے انسان سے ہر قسم کی نعمت چھین لی۔ ہمارے لیے

وجہ سے شرارتیں بھی نت نئی کرتے تھے۔ تین
 بنوں کے بعد اور اکلوتے ہونے کی وجہ سے ان
 کی شرارتوں سے خوب لطف اندوز ہوا جاتا تھا۔
 لیکن آج اسکول کے پروگرام میں اپنے ایک
 دوست کے اصرار پر شرکت کی تھی۔ اس
 پروگرام میں جہاں دوسری باتیں سننے کو ملیں وہاں
 اردو کے استاد شفیق صاحب کی یہ بات ان کے
 دل کو لگی تھی: ”بچو! آپ جو شرارتیں کرتے
 ہیں واقعی طور پر ان سے لطف اندوز بھی ہوتے
 ہیں“ مگر اپنی بہترین صلاحیتوں کو استعمال میں
 لاتے ہوئے ایسی شرارتیں کریں جو دیرپا اثر
 رکھتی ہوں اور کسی کو نقصان پہنچانے والی بھی
 نہ ہوں۔“

اب منعم یہاں کی ذہنی الجھن یہ تھی کہ یہ
 کس قسم کی شرارتیں ہوتی ہیں۔ پورا دن اسی
 سوچ میں گزر گیا اور اسی سوچ کی وجہ سے وہ
 کوئی شرارت بھی نہیں کر پائے۔ رات کو ابو نے
 بھی محسوس کیا اور آپا نے بھی ابو کو بتایا کہ آج
 باقاعدہ فراموش واقعہ یہ ہوا کہ منعم میاں نے
 کوئی شرارت نہیں کی۔ ابو کے دریافت کرنے پر
 منعم نے جمل دیا اور دوسرے باتیں کرنے لگا۔

دوسرے دن ماہر صاحب نے جب عامر کو
 کورس کی کتابیں نہ لانے پر ڈانٹا تو منعم میاں کے
 ماتلغ میں بجلی کی طرح یہ خیال کوندا کہ کیوں نہ
 ہم سب کلاس کے لڑکے پیچھے ملا کر عامر کے لیے
 کورس خریدیں اور اس کے بیک میں رکھ دیں
 ماہنامہ بچوں کی کہانیاں لراہی — ۸۸

کتنا مزہ آئے گا۔ دوسرے ہی لمحے وہ اس خیال
 سے مسکرائے کہ عامر کو اس وقت کتنی خوشی
 ہوگی۔ چھٹی کے وقت منعم میاں بہت خوش تھے
 کہ ان کو شرارت کا مفہوم سمجھ میں آ گیا تھا۔
 خوش خوش گھر پہنچے تو پتا چلا کہ آج پھوپھا
 اور چچا دوپہر کے کھانے پر آرہے ہیں۔ سو منعم
 میاں جلدی سے یونیفارم بدل کر امی کی دی ہوئی
 فرسٹ کے مطابق سامان لینے چلے گئے۔

دوپہر تک سب آپکے تھے اور خوش گووار
 ماحول میں کھانا کھا رہے تھے۔ کھانے کے بعد
 باتوں ہی باتوں میں بحث چھڑ گئی جو مزید پھیلتی چلی
 گئی۔ بڑے تو بحث میں لگے ہوئے تھے۔ ادھر
 بچے بیویں کی باتوں کی وجہ سے گھبرا گئے۔ بات تو
 کوئی خاص نہ تھی، لیکن بے مقصد پرانی خاندانی
 باتوں کو دہرایا جا رہا تھا۔ کوئی بھی اپنی غلطی ماننے
 کو تیار نہ تھا۔

منعم میاں پریشان تھے کبھی ابو کو دیکھتے کبھی
 چچا کو۔ ان کے خیال میں اگر بات یہیں ختم ہو
 جائے تو زیادہ اچھا ہے، لیکن کیا کیا جائے؟ وہ
 کچھ سوچ کر اٹھے اور اپنے کمرے میں لال
 روشنائی کی شیشی دروازے سے نکال لی اور پین کے
 ذریعے سے اپنے سر پر ٹپکالی، شیشے میں جائزہ لیا
 بالکل اصل لگ رہا تھا۔ تکلیف وہ شکل مانتے
 ہوئے باہر نکل گئے۔ ایک ہاتھ ماتھے پر اور ایک
 ہاتھ ابو کے کندھے پر رکھ کر ابو کو اپنی طرف
 باقی صفحہ نمبر 90 پر



مسکرائے

ایک بچے کی نظر کم زور ہو گئی۔ اس کے ابو ڈاکٹر نے عمل کو بلا کر پوچھا:

”یہ کس بات پر بگڑ رہا ہے؟“

عملہ: ”اس بات پر کہ وہ دوا ختم ہونے سے پہلے کیوں ٹھیک ہو گیا ہے۔“

”بیٹا! یہ پڑھو۔“

(نام پتا معلوم نہیں)

بچے نے ایک نظر چارٹ کی طرف دیکھا

اور کہا:

”ابو! آپ نے تو کہا تھا کہ ڈاکٹر کے گیا اور بیرے سے گوشت کی فرمائش کی۔“

پاس لے کر جائیں گے، آپ تو اسکول لے

بیرا: ”آج گوشت کا ناغہ ہے۔“

دیہاتی: ”اچھا تو یوں کرو کہ گوشت کا ناغہ

آئے۔“

(نور ہدایت، سنیعہ شاہد۔ کراچی) ہی لے آؤ۔“

(حافظ محمد اشرف، زہرہ بلال۔ حاصل پور)

ایک کنبوس مریض ہسپتال کے عملے پر

سعد (اسعد سے): ”بتاؤ! وضو میں سب

غصہ کر رہا تھا۔“

ماہنامہ بچوں کی کہانیاں کراچی — ۸۹

سے پہلے کیا کرتے ہیں؟“
اسعد: ”نکا کھولتے ہیں۔“
دل دھک دھک کرنے لگ جاتا ہے۔

☆.....☆.....☆
ایک پاگل (دوسرے پاگل سے):
”دوست! میری چپل چھت پر چلی گئی
”ورزش کیجیے اور اچھی سی عینک بنوائیے،
ڈاکٹر کا کلینک چلی منزل پر ہے۔ میں وکیل
ہوں۔“

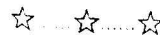
(ماجدہ بانو، آمنہ پری، عبدالباسط۔ کراچی)



متوجہ کیا۔ ابو نے مڑ کر دیکھا تو خون دیکھ کر گھبرا
گئے اور زور سے بولے کہ کیا ہوا میرے بیٹے
کو؟ سب منعم کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔ منعم
میاں صوفے پر ٹک گئے، دادی اور امی گھبرا
گئیں۔ منعم نے جب دیکھا ماحول بدل چکا ہے تو
تقصہ لگایا اور کہنے لگے میں تو مذاق کر رہا تھا۔
سب اپنے بے وقوف بننے پر جرز تو ہوئے، مگر
اتنا خوب صورت ڈراما کرنے پر ان کو داد دینے
لگے۔ تھوڑی دیر بعد کمرے میں وہی خوش گوار
ماحول تھا جو کھانے کے وقت تھا اور منعم میاں
سب سے زیادہ خوشی محسوس کر رہے تھے، کیوں
کہ انھیں سر شفیق کی بات جو سمجھ میں آگئی
تھی۔



(عمر امین۔ کراچی)
ایک دوست (دوسرے دوست سے):
”آج ہماری بکری نے انڈا دیا ہے۔“
دوسرا دوست حیرانی سے اچھل پڑا اور
ولا: ”بکری اور انڈا!“
”ہاں بھی! ہم عظیم لوگ ہیں۔ ہم نے
اپنی مرغی کا نام ”بکری“ رکھا ہوا ہے۔“



☆.....☆.....☆
ایک شخص عمارت کی چوتھی منزل پر پہنچا
اور اندر داخل ہوتے ہی سامنے بیٹھے ہوئے
شخص سے کہا: ”مجھے دے کی شکایت ہے،“

مرسلہ: زین العابدین، اوباڑو

بستر خوان پر کھانا لگ چکا تھا لیکن ہر کوئی اس کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ گھر کے ہر فرد کی نظریں بار بار گھڑی کا طواف کر رہی تھیں۔ اب تک تو اسے آ جانا چاہیے تھا۔

ابو بولے ”میرا تو یہ سوچ سوچ کر دم کھلا جا رہا ہے کہ کہیں خدا نخواہ اسے.....؟“

”خدا کے لیے ایسی باتیں تو منہ سے نہ نکالو۔“ ای نے ابو کی بات پوری نہ ہونے دی۔ ”میرا دل تو خود اندیشوں میں گھرا ہوا ہے۔“

ابھی یہ الفاظ ان کے منہ میں تھے کہ ایک جھماکا سا ہوا اور سارا گھر روشن ہو گیا۔ ابو بولے ”لو آگنی تمہاری لاڈلی بجلی! چلو بچو! کھانا شروع کرو، کہیں یہ نصیبوں بجلی پھر نہ پھٹی جائے۔“

مرسلہ: ایاز خان، اسلام آباد

دو کیل ایک ہوٹل میں گئے اور دو یوتلوں کا آرڈر دیا، پھر وہ اپنے اپنے بریف کیس سے سینڈویچ نکال کر کھانے لگے۔ ”ہوٹل کا مالک ان کے پاس آیا اور کہا ”آپ یہاں اپنا سینڈویچ نہیں کھا سکتے۔“

دیکھو! ایک دوسرے کی طرف دیکھا، کاندھے اچکائے اور اپنے سینڈویچ تبدیل کر لے۔

مرسلہ: شرف الدین جیلانی، ٹنڈوالہ یار

وہ اپنی ماں سے رخصت ہونے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔ ماں نے آنسو بھری آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا اور کانپتی ہوئی آواز میں کہا: ”جائیٹا! خدا تیری حفاظت کرے۔“ اس کی بہن بھی گھٹی ہوئی آئی اور خدا

سے اس کی حفاظت کی دعا کی۔ بہن سے مل کر وہ اپنے والد محترم کی طرف مڑا۔ والد کے چہرے سے پریشانی جھلک رہی تھی۔ انہوں نے نہایت محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور..... گلے لگا کر بولے: ”جا خدا! تیری ہر قدم پر حفاظت کرے۔“ پھر وہ سب کو خدا حافظ کہہ کر گھر سے نکلے لگا تو گلوگیر آواز میں بولا: ”سب دعا کرنا کہ لائق ہی نہ ہو..... میں ہی امین جی بھروا کر ہی واپس آؤں گا۔“

مرسلہ: ضیاء الحق قائم خانی، جھنڈو

لفٹ میں ایک ساتھ بہت سے لوگ سوار ہو گئے۔ آپریٹر نے ٹن دبا یا لیکن لفٹ اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ اس نے درخواست کی کہ کم از کم ایک فرد ضرور لفٹ سے اتر جائے۔

ایک نہایت موٹے شخص نے اٹار کا مظاہرہ کیا اور لفٹ سے اتر گیا۔ کئی دوسرے لوگ لفٹ کے باہر

اپنی باری کے انتظار میں کھڑے تھے۔ آپریٹر نے دوبارہ ٹن دبا یا تو لفٹ اوپر روانہ ہو گئی۔ موٹے شخص نے دوسرے لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے قدرے شرمندگی سے کہا: ”میرا وزن اتنا زیادہ تو نہیں کہ میری وجہ سے لفٹ رک جاتی۔ دراصل آج میرے ذہن پر بہت زیادہ بوجھ ہے۔“

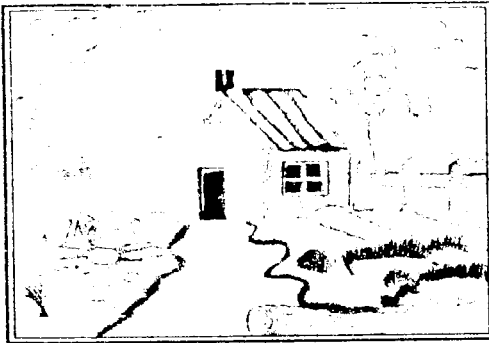
مرسلہ: فوزیہ اسد، ڈاہرا نوالہ

☆.....☆

کونسی شکل مختلف ہے۔



جواب: 1



اسد سردار، سعید آباد، بلدیہ ٹاؤن



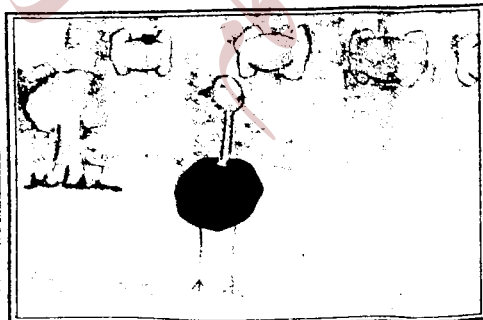
مصور



مدیحہ منور لارک، حیدر آباد



زینب حسین، دینہ، جہلم



مہک کامران، ناظم آباد



ماڑو اور آفتاب سیر کو نکلے تو راستے میں انہیں بھوک لگی۔ جب وہ کھانا کھانے لگے تو انہیں تین گھبریاں دکھیں۔
تھیں۔ آپ ان تین گھبریوں کو ڈھونڈ کر بتا سکتے ہیں؟

ڈرائنگ سیکھئے



2

3



4



یہ ہے رشی زلفوں کا جال، جس میں الجھنی نائی کی قینچی،

جلدی کرو

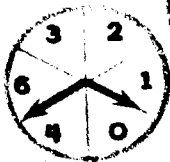
بھائی،

START

راستہ بتاؤ اور

قینچی ڈھونڈ کے

لاؤ



غور سے دیکھ کر بتائیے

کہ سوالیہ نشان کی جگہ

ہندسہ آئے گا

2012

FINISH